itsurdu.blogspot.com
آتش رفتہ کا سراغ
2
مشرف عالم ذوقی

# حصہ دوم



# آتشِ رفتہ کا سراغ

## (۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۲ء تک)

# آتشِ رفتہ کا سراغ

## (۱۹۸۶ء سے ۱۹۹۲ء تک)



(1)

کچھ میری سُن یا خود سُنا
کیا سچ بھی کہنا ہے بُرا
کاشی کی ایسی دل نشیں
کتنی مقدس سرزمیں

وہ مطربہ وہ قہقہے
گجروں سے وہ بجرے سجے
اتنی کو واپس ہوگئے
ننگے جو تھے ننگے رہے
بھوکے جو تھے بھوکے رہے
پھولوں کی چادر کیا کرے
نغموں سے دوزخ کیا بھرے
فتح و ظفر کا شور اٹھا
صد مرحبا صد مرحبا

جب جشن کا یہ وقت ہے

پھر زندگی کیوں سخت ہے

کہنے کی ساری بات ہے

اس روشنی سے کچھ نہیں

یہ رات پھر بھی رات ہے

دریا کا پانی لال ہے

فطرت کا دل پامال ہے

☆☆

کاشی — کاشی کی گلیاں، چھوٹی چھوٹی ان گلیوں میں ہی کاشی آباد ہے۔ یہاں کی صبح مشہور ہے — صبح ہوتے ہی کاشی کے گھاٹوں کا نظارہ دیکھنے کے لائق ہوتا ہے۔ بازاروں میں دھوم، بنارسی پان اور بنارسی ساڑیاں — پیتل اور اسٹیل کے برتن، مٹھائیوں کی دکانیں، حکیم اور عطار کی دکانیں — چھوٹے بڑے گھروں سے جھانکتے ہوئے لوگ — انجانے لوگوں پر پھبتیاں کستے ہوئے، پان کی دکانوں پر ہنسی ٹھٹھول کرتے ہوئے، کہیں ڈھول باجے کی آوازیں — بڑی بڑی کوٹھیاں اور پرانی حویلیاں بھی اسی بنارس کا حصہ ہیں۔ مادھو جی کی کوٹھی — بھارتیندو بھون — بنگالی کی ڈیوڑھی — سب کے پیچھے ایک لمبی تاریخ — پھر پھاٹکوں کا سلسلہ — گھنٹے والا پھاٹک، شیر والا پھاٹک — گھنٹہ نہیں رہا پھر بھی اب تک وہ جگہ گھنٹے والا پھاٹک کے نام سے ہی مشہور ہے۔ مندروں کا ایک لمبا سلسلہ — رادھارمن جی کا مندر، اور بھی آس پاس کتنے ہی مندر — مندروں اور گھاٹوں کی نگری ہے یہ کاشی — گھاٹ کے کنارے کنارے آسن کی مدرا میں سادھوؤں اور تانترکوں کو بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ ایک زمانے میں بنارس کے بھانڈ مشہور تھے۔ شادی بیاہ



تھے۔ اس کے علاوہ بہروپیے بھی ہوتے تھے — لیکن بہروپیے اور بھانڈ آہستہ آہستہ تاریخی کتابوں میں دفن ہوگئے — بس، یادیں رہ گئیں یا پھر ان بھانڈوں کے گیت رہ گئے۔

اے پیا بجار جئی یو — واہ واہ جی واہ واہ

لمبے لمبے سیر اوڑ الئی یو — واہ واہ جی واہ واہ

گرم گرم جلیبی لئی یو — واہ واہ جی واہ واہ

بڑ کے بڑ کے لڈو لئی یو — واہ واہ جی واہ واہ

سنگھ جی کی گھوڑی لئی یو — واہ واہ جی واہ واہ

پہلا مہینوا گرم نہیں جانے اوں

حال نہیں جانے اوں، لگ گیا دوسرا مہینوا رے

اے پیا بجار جئی یو — واہ واہ جی واہ واہ

بنارس — دور تک گلیوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ دائیں جانب پرانا شہر کے اور گنگا گھاٹ اور بائیں جانب شہر کے باہری علاقوں کو جوڑتی بے شمار گلیاں ہیں جن میں ایک گلی وشوناتھ گلی کے نام سے ہے — جہاں بابا وشوناتھ لنگ ہے۔ جن کے درشن کے لیے بارہ مہینے عقیدتمندوں کی قطار لگی رہتی ہے — جن کا درشن کرکے، جنہیں جل اور بیل پتر ارپن کرکے عقیدتمند اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتے ہیں — وشوناتھ مندر کے آس پاس پنڈوں کا ہجوم گھومتا رہتا ہے، بعض دفعہ غیر ضروری دباؤ ڈال کر کوئی بھی پنڈا اپنے لیے بڑی رقم اینٹھ لیتا ہے — یہ پنڈے خرید وفروخت میں بھی مدد کرتے ہیں، دکانداروں سے ان کا کمیشن طے رہتا ہے — یہاں نقلی گہنے، چوڑیوں اور سیندور سے دکانیں بھری ہوئی ہیں — خاص کر ایک

وطار سے ساڑی اور پیرے کی دکانیں — اور [illegible] ہر ہر مہادیو کی گونج —

کاشی کی کم وبیش ہر گلی کہیں نہ کہیں سے گنگا تٹ تک پہنچ جاتی ہے — کہا جاتا ہے کہ شیو جی کے ترشول پر آباد ہے کاشی۔ بابا وشوناتھ یہاں براجمان ہیں۔ اس لیے تیرتھ استھلوں میں کاشی کی اپنی اہمیت ہے۔

لیکن کچھ برسوں سے جے گنگے اور ہر ہر مہادیو کے نعرے بدل گئے ہیں — اب اس کی جگہ جے شری رام نے لے لی ہے — مندر کے کنارے کنارے آباد گھروں میں کتنے ہی گھر ایسے ہیں جہاں بھگوا جھنڈے لہرا رہے ہیں —

ان گلیوں میں مسلمانوں کی آبادی بھی اچھی خاصی ہے — لیکن بابری مسجد سے اٹھنے والی چیخ کی صداؤں نے کاشی کی ان گلیوں کے ماحول کو بھی خراب کر دیا ہے — یہیں سپرو مندر کے ذرا آگے، مدن چوک کے دائیں طرف جانے والی گلی میں ایک پرانی حویلی آباد ہے — پاشاؤں کی حویلی — وقت نے اس حویلی کی رونق چھین لی — آن بان شان کے جنازے نکل گئے — باہر کی سیڑھیاں تک اب ٹوٹ چکی ہیں — مین سیڑھی کے دونوں طرف کمرے بنے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں کمرے مہمانوں سے ملنے کے لیے بنائے گئے ہیں — درمیان کی جگہ پر لکڑی کا تخت بچھا ہے۔ مین سیڑھی سے اندر جاتے ہوئے ایک بڑا سا برامدہ آتا ہے — برامدے میں ایک بڑا سا امرود کا درخت ہے — اور اس درخت کے نیچے ہمیشہ ہی ایک پلنگڑی بچھی رہتی ہے — گرمیوں کے دنوں میں یہ پلنگڑی بی اماں کے لیے تخت طاؤس سے کم نہیں — یہیں سے ان کی حکومت چلتی ہے......

او......بسمتیا......

ارے تیرا شرابی مرد کہاں ہے......؟



[illegible]

یہاں بھی چلے جانا — ساڑی دی ہوئی ہے رنگنے کے لیے...... ٹھہرو...... کم بخت اس بلی کو اسی وقت راستہ کاٹنا تھا...... ابھی دو منٹ ٹھہر لو میاں — بلی بدشگونی کر گئی ہے —

بڑے میاں یعنی تغلق پاشا اب ان باتوں کے عادی ہو چکے ہیں — وہ بس مسکرا کر رہ جاتے ہیں —

ارے یہ انور میاں کہاں رہ گئے —؟

راشدہ کی بچی۔ سر پر آنچل کیوں نہیں —؟

اور ارشد میاں — یہ کیا ڈراؤنی شکل بنا رکھی ہے —؟

پھر رہی سہی کسر بڑے میاں پر نکلتی — تو ج...... یہ بی بی، سی سن سن کر آپ کا دماغ چل گیا ہے — آدھا دماغ کمبخت پاکستان نے خراب کیا — اور میاں آدھا آپ کے آفس نے...... ارے بسمتیا...... کلموہی — سلہٹ پر باریک مصالحہ بھی نہیں پیسا جاتا — ہاتھ ہی نہیں چلتا تیرا...... چل تیزی سے ہاتھ چلا — مصالحہ اور باریک...... ہاں...... اب ٹھیک ہے......!

بابری مسجد کی گونج نے ارشد پاشا کو بھی زخمی کیا تھا — مگر ارشد پاشا ان نوجوانوں میں تھے جو مسجد مندر سے آگے نکل کر اپنے مستقبل کے گیسو سنوارنے میں دلچسپی رکھتے تھے — ادھر ان گلیوں میں آباد ایسے نوجوان بھی تھے جو شعر و ادب میں دلچسپیاں رکھتے تھے۔ محفلیں سجائی جاتیں — کوئی افسانہ لکھ رہا ہے — کوئی مضمون...... کوئی شاعری کر رہا ہے۔ داڑھی بڑھ گئی ہے۔ چائے کے ہوٹلوں پر ان دانشور نوجوانوں کی بھیڑ جمع ہے۔ کوئی سر جھکائے ہے...... کسی کی محبوبہ کا تذکرہ چل رہا ہے اور کوئی اپنی محبوبہ کے ذکر سے، شرم سے پانی پانی ہوا جا رہا ہے —

’چائے کون پلائے گا؟‘

’جس کی محبوبہ کی چٹھی آئی ہوگی—‘

اور کچھ ایسے بھی تھے جو ان پر آشوب ہواؤں سے گھبرا کر ترقی پسند نظریے کی آغوش میں آسرا تلاش کر رہے تھے— یہاں مارکس اور اینجل کی باتیں تیں— لینن کی کتابوں سے ریڈ بائبل تک کے تذکرے ہوتے— مسجد اور مندروں پر طنز کیے جاتے— اور ایسے نوجوانوں میں بدر بھی ایک تھا— اور شاید اسی لیے ارشد پاشا کی بدر سے کافی بننے لگی تھی۔ چہرے پر معصومیت— ہلکا سانولا رنگ— بڑی بڑی آنکھیں— داڑھی کئی دنوں کی بڑھی ہوئی— جب سے مندر اور مسجد کا یہ متنازعہ معاملہ شروع ہوا تھا، کاشی میں آنے والی تبدیلیوں کو آسانی سے محسوس کیا جاسکتا تھا۔

بدر اچانک چلتے چلتے رک جاتا— پھر ارشد پاشا کی طرف دیکھتا—

تمہیں ایسا نہیں لگتا کہ کاشی کے ان گھاٹوں سے اب آگ نکل رہی ہو— اور آگ کی لپٹیں برسوں کی محبت اور ملت کو جلا رہی ہوں......‘

ارشد پاشا گہری سانس لیتے—

’شاید تم سچ کہتے ہو— اجودھیا سے نکلی ہوئی آگ گنگا کے ان گھاٹوں تک پہنچ گئی ہے۔ سب کچھ بدلا بدلا سا لگتا ہے۔ آپسی محبت اور بھائی چارہ جیسے کتابوں اور کہانیوں کی باتیں لگتی ہیں— لگتا ہے جیسے اچانک ہماری طرف اٹھنے والی آنکھوں میں فرق آگیا ہو— لوگ لباس سے ہمارے مذہب کی پہچان کر رہے ہوں۔ گھر سے باہر ٹوپی پہن کر جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ آخر کس صدی میں آگئے ہیں ہم—‘



[illegible]

تھے۔ مذہب نے اس سے پہلے بھی بانٹ رکھا تھا۔ اسی مذہب کے نام پر ملک کی تقسیم بھی ہوئی۔ ہزاروں کے خون بہے۔ صرف مذہب کے نام پر— اور آج بھی یہی ہو رہا ہے، ایک بابری مسجد کا پچ کیا سامنے آیا، نگاہیں بدل گئیں۔

ارشد پاشا نے برا سا منہ بنایا— ’تمہاری تمام باتوں سے اتفاق ہے— مگر جب تم مذہب کا مرثیہ پڑھنے لگتے ہو تو برا لگتا ہے۔ تم بھی اسی فرقہ پرستی کا شکار لگتے ہو جہاں تم بھی اس پر آشوب موسم کو بدلی بدلی سی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو— مذہب ہے تو ہے اور مذہب ہمیشہ سے ہے— اور ہمیشہ رہے گا— اس کی جڑیں پختہ ہیں۔

بدر زور سے ہنسا— اتنی پختہ کہ اب رام اور رحیم ایک دوسرے سے لڑنے لگے ہیں— تمہارے اللہ میاں اور رام جی کے بیچ ٹھن گئی ہے— ارشد پاشا اس مذہب نے ہمیشہ دنگے کیے ہیں۔ ہمیشہ لڑایا ہی ہے۔ کم از کم اب تو جذبات کو بھڑکانے والے اس مذہبی رویئے سے باہر نکل کر دیکھو— نہیں دیکھو گے تو نفرت کی یہ آگ بڑھتے پھیلتے تم سب کو کھا جائے گی— کچھ بھی باقی نہیں بچے گا۔ مذہب کچھ لوگوں کے لیے ایک مضبوط سیاسی مہرہ ہے۔ اس لیے ایسے ٹھیکیداروں کی دکانیں چل رہی ہیں۔‘

ارشد پاشا گہری سوچ میں تھے— حقیقت یہی تھی کہ اس وقت سب سے بڑا ہیرو مذہب تھا— ۱۵۲۸ء میں مغل حکمراں بابر کے دور حکومت میں میر باقی نے ایک مسجد بنوائی تھی۔ صدیوں بعد مسجد سے فرقہ پرستی کا بھوت نکل کر سامنے آگیا۔ ہندو تنظیموں نے دعویٰ کیا کہ یہ مسجد گیارہویں صدی میں ایک مندر کو گرا کر بنائی گئی ہے۔ آگ کی لپٹیں انھیں پھر بجھ گئیں۔ لیکن وقفے وقفے یہ لپٹیں اٹھتی

رہیں — اور جب بھی اٹھتیں، محبت اور آپسی اتحاد کو جلا دے جاتیں۔ اجودھیا میں مسجد کی تعمیر کے کچھ برس بعد سے ہی نفرت کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا — ۱۸۵۷ کا غدر — لیکن یہ خونی تاریخ اس مسجد سے بھی واسطہ تھی۔ ایک مندر کے پجاری نے مسجد کے ایک حصے پر قبضہ کر کے پوجا کا انتظام کیا۔ دو سال بعد برطانوی حکومت نے مسجد کے دالان میں ایک دیوار کھڑی کر دی۔ اس طرح پوجا کرنے والے اور نمازیوں کے الگ الگ حصے ہو گئے۔ ۱۹۳۴ء میں ہندو مسلم فساد ہوا تو بابری مسجد کی دیوار اور گنبد کا ایک حصہ شہید ہو گیا۔ نفرت کی لپٹیں اب آسمان چھونے لگی تھیں۔ ۱۹۴۹ء میں جبراً کچھ لوگوں نے مسجد میں بھگوان رام کی مورتی نصب کر دی اور اس طرح ہندو مسلمانوں کے بیچ نفرت کی ایک نہ ختم ہونے والی فصل بو دی گئی۔ ہندوستانی سیاست کے حکمراں جب سنکٹ میں گھر جاتے تو بابری مسجد کے بھوت کو سامنے لے آتے — اب وشو ہندو پریشد اور ہندو مہا سبھا کی تحریکیں زور پکڑنے لگی تھیں۔ رام جنم بھومی کو آزاد کرانے کے لیے باضابطہ کمیٹی بن چکی تھی۔ ملک کے حاشیے پر کتنے ہی بھگوا نیتا تھے جو آگے بڑھ کر متنازعہ مقام پر مندر بنانے کی تحریک کو ہوا دے رہے تھے۔ حلوائی، چما بھارتی اور بچا ٹھاکر جیسے لوگوں کے بیانات نے ملک کو بارود کے ڈھیر پر کھڑا کر دیا تھا۔ ۱۹۸۶ء میں فیض آباد ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مسجد کو ہندوؤں کے ذریعہ پوجا کے لیے کھولنے کا حکم دیا — اور ایک بار پھر رام جنم بھومی کی آزادی کی مانگ ہندوستان کے ہر گوشے سے بلند ہونے لگی۔ اب ایک مورچہ کچھ سرپھرے مسلمانوں نے بھی سنبھالا تھا۔ بابری مسجد ایکشن کمیٹی کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ ایک دوسرے کے خلاف بیانات کے سلسلے تیز ہو چکے تھے۔ اجودھیا کاشی سے کوئی بہت زیادہ دور نہیں تھا۔ وہاں سے چلنے والی ہر گرم ہوا کاشی کے ماحول کو خراب کر کے رکھ دیتی۔



ارشد پاشا تاریخ کے ایوانوں کی سیر کرتے ہوئے واپس اپنی دنیا میں لوٹ آئے تھے۔

'سیاست اور مذہب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ تم اکثر ان دونوں کو ملا دیتے ہو بدر —'

بدر سنجیدہ تھا — 'مذہب میں ہمیشہ سے ایک سیاست رہتی ہے — اسی لیے مذہب نے ہر دور میں ہونے والی جنگوں کو بھی اپنی تاریخ میں جگہ دی ہے۔ اسلامی جنگیں ہوں یا کوروں اور پانڈوں کے بیچ کا مقابلہ — مذہب سے سیاست کو الگ نہیں کر سکتے۔ سیاست ہمیشہ سے مذہب کا ایک مضبوط حصہ رہا ہے —'

ارشد پاشا خاموش رہ جاتے — شاید اس بدلی بدلی فضا میں بدر کی باتوں کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا —

لیکن یہ جواب انور پاشا کے یہاں موجود تھا۔ انور پاشا جنہوں نے مذہبی سیاست کی اس بھٹی میں نہ صرف آنکھیں کھولی تھیں بلکہ آج بھی وہ پاکستان کے قصیدے ہی پڑھتے تھے — انور پاشا ایسے نوجوانوں میں شامل تھے جو اکثر غصے میں کہا کرتے —

'پاکستان الگ سے بنانے کی کیا ضرورت تھی — ذرا عقلمندی کی ہوتی۔ سارے ہندوستان کو پاکستان بنا لیا ہوتا۔ آخر ہم نے یہاں ۷۰۰ برس حکومت کی ہے —'

وہ آج بھی اسی سنہری ماضی کا حصہ تھے — اور اسی لیے سڑکوں سے 'پولیتھن' جمع کیا کرتے تھے —

راشدہ ہنس کر پوچھتی —

'ان میں ماضی تلاش کرتے ہو کیا بھیا؟'

انور پاشا کو غصہ آجاتا— اب ہمارا ماضی اتنا گندہ بھی نہیں تھا— حکومت کرنے والے رہے ہیں ہم...... مغلوں نے عیاش نسل پیدا نہ کی ہوتی تو فرنگی بھی ہم پر حاوی نہ ہوتے—'

انور پاشا کی اپنی منطق تھی— حالات نے بہت سے نوجوانوں کی طرح اُنھیں اپنے ارادوں کا سخت بنا دیا تھا— وہ ہندوؤں سے دوستی کو بھی صحیح نہیں سمجھتے تھے— بلکہ اگر ماحول سازگار ہوتا تو وہ کب کا پاکستان چلے گئے ہوتے— ان دنوں انہیں ایک نیا شغل مل گیا تھا— پولیتھن جمع کرنے کا— وہ شہر بھر کے پولیتھن لیے جب گھر آتے تو بی اماں دروازے سے ہی چلاتیں—

'میاں— پہلے واش بیسن پر ہاتھ دھونا— جانے کہاں سے یہ بری عادت لگ گئی ہے تمہیں—'

'ایک دن میری یہی بری عادت پاشاؤں کو ساری دنیا میں مشہور کردے گی—'

انور پاشا ہنستے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ جاتے—

☆☆

بابری مسجد اور رام جنم بھومی تنازعہ کے سامنے آنے کے بعد شہر کے کچھ ایسے بھی بڑے لوگ تھے، جو اب آگے بڑھ کر سیاست میں روٹیاں سینکنا چاہتے تھے— یہ وہ دور تھا جب کاشی کے مسلم ہوٹلوں میں پرانی دنیا جیسے اخبارات زور زور سے پڑھے جاتے— بلکہ اس طرح کے اخبار ہر گھر میں آتے تھے اور آتے ہی ان اخباروں میں چھپی سرخیوں کو لے کر ہنگامہ مچ جاتا تھا— ایسے ہی لوگوں میں احمد صاحب وکیل بھی تھے۔ مدن پورا میں گھر تھا— لیکن اب وکیل صاحب کئی دنوں



تھے— وہ جانتے تھے کہ اخبار نکالنا جوکھم کا کام ہے— مگر قوم کے لیے...... جیسا وہ ہمیشہ کہا کرتے—

'میاں' مزہ تو تب ہے جب آپ قوم کے لیے کچھ کریں......'

'تو کیا صرف ایک اخبار نکال کر......'

'اخبار نکالنا کوئی بچوں کا کھیل نہیں ہے میاں— اخبار نے بڑے بڑے مورچے فتح کیے ہیں— بڑے بڑے انقلاب کے پیچھے بھی یہ اخبار رہے ہیں—'

'ان سے سوال کیا جاتا— 'تو آپ بھی ایسا ہی کوئی مورچہ فتح کرنا چاہتے ہیں—؟'

احمد صاحب وکیل اس بات پر خفا ہو جاتے— 'کیسی بچوں کی طرح باتیں کر رہے ہیں۔ ہم کیا مورچہ فتح کریں گے۔ مورچہ فتح کریں گے آپ— اپنی قوم کو جگائیں گے— یہ قوم بیدار ہی نہیں ہوتی— صور پھونکنا پڑتا ہے— جگانا پڑتا ہے—'

احمد صاحب وکیل کی بیٹی صوفیہ ان باتوں کو نہیں مانتی تھی— وہ نئے زمانے کی تھی— اسے یقین تھا کہ بہت جلد یہاں آئے لوگ مسجد مندر کے ان ہنگاموں سے گھبرا جائیں گے۔ سیاست کی یہ روٹیاں مذہبی ٹھیکیداروں کے کسی کام نہ آئیں گی—'

کاشی کی ان پر پیچ گلیوں میں مذہب جاگ گیا تھا— اور کتنے ہی چہرے تھے جو اس مذہب کے پس پردہ اپنی اپنی کہانیاں لکھ رہے تھے—

کائیں...... کائیں...... کائیں......

چھت کی بالائی منزل سے کوا چیخا اور ادھر سارے گھر میں آفت مچ گئی۔ بی اماں کے کانوں میں آواز جاتے ہی جیسے پورے جسم میں برقی جھٹکے دوڑ گئے۔ اطمینان کرنے کے لئے دوبارہ کان لگایا...... کاؤں...... کاؤں...... نوج کوا ہی ہے۔ ہائے اللہ اب کیسی آفت...... جہاں تھیں وہیں سے اپنے تخم شخیم بدن کو لئے دھب سے کودیں اور زنانخانہ پار کرتے ہوئے برامدے میں نکل آئیں...... زنانخانہ...... گھر میں 'زنانی' ہیں ہی کتنے۔ اگر چھوٹی موٹی سی راشدہ کو لیا جائے تو...... لیکن نوج...... تاریخ پر پھٹکار برسے...... مرا ہوا ہاتھی بھی بائیس پسیری...... بی اماں بس بولتی جارہی تھیں۔ بکتی جارہی تھیں۔ ان کی طرح ہی ان کے محاورے بھی عجیب عجیب سے ہوتے...... زنانخانہ پار کرتے ہوئے برامدے میں نکل آئیں بی اماں ___ نوج کہاں ہے...... کہاں سے آئی آواز؟ لو...... اڑ گیا کم بخت۔ نصیبوں جلا...... مگر اس سے کیا ہوتا ہے۔ بدشگونی تو کر گیا۔ نحوست تو پھیلا گیا...... ابھی تو دن بھی پورا نہیں چڑھا ہے۔ آٹھ ہی بجے ہوں گے۔ بی اماں نے ایک لمبی اونہہ کھینچ کر آواز لگائی......

او بسمتیا...... بسمتیا...... سب کہاں مر گئیں...... ارشد...... انور...... جسے ڈھونڈھو، کوئی نہیں ملتا۔ پتہ نہیں کہاں سب مر کھپ گئے۔ اس بسمتیا کو اب نکالنا ہی پڑے گا۔ رہنے کو ہاتھ پیر جوڑ کر پیچھے کی خالی کوٹھری ہتھیالی لیکن کام کی نہ کاج کی۔ اوپر سے میاں شرابی...... منع کیا تھا میاں کو...... یہ ہندوؤں کا بھروسہ کیا۔ پیچھے کی کوٹھری خالی ہے تو رہنے دو۔ کرایہ دار آئیں گے تو سو دو سو دے جائیں گے۔ لیکن



[illegible] ...... رہے دونا...... بس ہو گئی چھٹی...... مفت میں گھر مل گیا...... اب کیا ہے...... کسی دن کہہ دیں گے...... میرا ہی گھر ہے...... نکلو میاں جی...... بس باندھو سامان...... چلو پاکستان...... یہاں کیا دھرا ہے۔ غیر ملک...... غیر ملک نہیں ہوتا تو اتنی مارکاٹ مچتی۔ وہ میرٹھ میں ___ احمد آباد میں...... باپ رے...... رائٹ فساد کی خبریں پڑھتے پڑھتے اخباری ہی بند کروادیا۔ چلو چھٹی۔ نہ اخبار آئے گا نہ فساد کی خبریں سنوں گی۔ اتنے مسلمان مارے گئے...... نوج جی جلتا ہے...... دشمنوں کو خدا غارت کرے ___ ایک سے چھٹی ملی دوسری بلا آ گئی۔ ٹی وی نہ ہوا جان کا جوکھم ہو گیا۔ جب دیکھو دفتر سے آنے کے بعد میاں سیٹ سے لگے بیٹھے ہیں۔ آواز دو...... او جی کیا ہوا...... اب بڑھاپے میں سٹھیا گئے ہیں۔ سنائی بھی کم پڑنے لگا ہے۔ بولو کچھ۔ جواب کچھ...... میاں بولیں گے...... نوج یہ پاکستان پھر جنگ کروا کے چھوڑے گا۔ تباہی تباہی......

بی اماں دھم سے برامدے میں نکلی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گئیں...... تھوڑا سا بسمتیا سے دھیان ہٹا نہیں کہ آ گئی الم غلم سوچ...... یہ بلڈ پریشر بھی کمبخت...... خدا غارت کرے دشمنوں کو...... سب مرض اس بڑھاپے میں ہی ہونا ہے...... ارے کہاں گئی بسمتیا ___ کہتی تھی...... اماں گھبرایئے نہیں۔ سب کام کر دیں گے...... اب دیکھو...... آواز دو تو سنتی نہیں ہے...... او بسمتیا......

'جی اماں'......

اندر کے کسی گوشے سے ایک زنانی آواز تیر کی طرح بی اماں کے کانوں کو چیرتی چلی گئی...... اُف...... آج کل کی لونڈیاں کھاتی کتنا ہیں...... آواز تو دیکھو...... اتنی تیز کہ بم کا گولہ ہو گیا...... اب یہی لو...... بسمتیا کی بچی آہستہ سے بھی تو کہہ سکتی

ہے...... صبح ہی صبح کوا اپنی منحوس آواز سے دل دھڑکا گیا کمبخت...... اب دیکھو...... آنے میں اتنی دیری......

'بات کیا ہے اماں......' آنچل سے سینے کو ڈھکتی ہوئی بی اماں نے شعلہ بار نگاہوں سے بسمتیا کو دیکھا......

"کہاں تھی......؟"

"باورچی خانے میں اماں"

"کیا کر رہی تھی؟"

"پیاز چھیل رہی تھی اماں اور کیا...... اب یہی پوچھنے کو بلایا ہے......" بسمتیا جی جان سے جل گئی تھی......

"نہیں۔ بہت بڑبڑ کرنے لگی ہے۔" بی اماں خفا ہو گئی تھیں...... "خیر! تو نے آواز سنی یا نہیں...... بول......؟"

"آواز......؟"

"ہاں...... کائیں...... کائیں......"

"یہ کیا کہہ رہی ہو اماں......"

"بدھولڑکی...... تو کہتی ہے کہ باورچی خانے میں تھی اور پیاز چھیل رہی تھی ــــ مگر تو نے کوے کے کائیں کائیں کرنے کی آواز نہیں سنی......؟"

"سنی ہوگی"...... بسمتیا نے دل رکھنے کو کہہ دیا۔

"سنی ہوگی۔ کیا مطلب۔ ہائے اللہ کیسی پاگل خبطی لڑکی سے سابقہ پڑا ہے اور تو چپ بیٹھی رہی...... جانتی ہے دن کیا ہے...... جمعہ...... جمعہ کے روز کوا بولتا ہے تو کیا ہوتا ہے......وہ بھی صبح صبح...... ہائے اللہ میرا تو دل ڈر رہا ہے......"



"اب اماں۔ آپ بھی ذرا ذرا سی بات کو لے کر پریشان ہو جاتی ہیں۔"

"تو نے کسی کو جگایا نہیں؟ کوے کی آواز سن کر بھی"ــــ بی اماں کی آنکھوں میں تشویش تھی...... جیسے شک ہو...... تو کیوں جگائے گی...... مان لو...... یہ کوا ہندوستان پاکستان میں جنگ کی بُری خبر لایا ہو...... مارے تو جائیں گے بے چارے مسلمان۔ اتنا سا ملک ٹھہرا بے چارا پاکستان...... خیر...... بی اماں نے ٹھنڈی سانس بھری...... جا...... میرا دل ڈر رہا ہے......سب کو جا کر جگا دے......"

"اماں۔ آپ بھی کمال کرتی ہیں...... اب اتنی سی بات پر کس کو جگاؤں میں۔ سارے سوئے پڑے ہیں......"

"سوئے پڑے ہیں سے کیا مطلب...... موئے ارشد کو...... رشد کو...... انور کو...... اللہ رکھے انور کے ابا کو...... اور کس کو...... باؤلی ہوگئی ہے تو۔ کوا بدشگونی کی نشانی ہے...... ہائے اللہ میرا تو دل دھڑکا جا رہا ہے...... اور ہاں...... تیرا شرابی مرد کدھر ہے۔"

"وہ......" بسمتیا کے ہونٹوں پر نفرت سی پھیل گئی۔ "سویا پڑا ہے۔"

"بچہ کو تو اُٹھا لے کمبخت...... زمین میں چھوڑ دیتی ہے...... اتنی صبح ہوگئی...... دودھ پلا دیا......؟" بی اماں اچانک رحم دل ہو اُٹھی تھیں......

"ہاں اماں"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے...... ہاں جا۔ ایک نظر بچہ پر ڈالتی جا۔ پگلی۔ بچے کو زمین پر ایسے چھوڑ دیتے ہیں......؟ جیسے جیو جانور ہوں...... اور ہاں جا اپنے شرابی مرد کو بھی آواز لگا دینا...... اٹھ جائے تو کمبخت کو کمر کا درد نکالنے سے فرصت نہیں...... ہزار بار کہا ہے۔ کمبخت پیٹھ اکڑا کر مت چلا کر...... نحوست پھیلتی ہے اس سے۔ مگر کیا سروکار...... مانتا ہی نہیں...... انور کے ابا اس دن پیچھے نہیں تو کم بخت

شرابی کو گھر میں قدم رکھنے نہیں دیتی۔ چھی چھی...... مسلمان کے گھر میں شرابی...... اے بسمتیا...... سن...... اپنے مرد کو بول دینا کہ شراب پی کر آیا تو سارا سامان باہر — یہاں رہنے نہیں دوں گی سمجھا......"

"اب کی معاف کر دو اماں۔ سمجھا دوں گی"

"ہوں۔ سمجھا دوں گی۔ جیسے مان جائے گا...... وہ...... جاجا...... آواز لگا اے......"

"اچھا اماں۔"

بسمتیا بُرا سامنہ بناتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ بی اماں نے تیز تیز چلتی ہوئی سانسوں پر قابو پایا...... ان کی بک بک کم نہیں ہوئی تھی۔ وہ اب بھی بڑبڑائے جارہی تھیں...... بُرا وقت ہے۔ زمانہ ہی خراب آگیا ہے...... کوئی کسی کی سنتا نہیں...... جب پڑے گی تب جانیں گے...... اب انہیں کون سمجھائے کہ اسی کے لئے راج پاٹ سب چوپٹ ہوگیا...... سلطنت تباہ ہوگئی...... لو جی...... اب اتنا کسے پتہ نہیں کہ واجد علی شاہ کا ہے مارے گئے...... نوج جوتا نہیں ہوا کہ آکر وزیر پہنائے تب باہر نکلیں گے۔ اس قوم کا کیا ہوگا...... اتنی اتنی دیر سوتے رہیں گے تو؟ اور تو اور...... نہ کہیں دیکھا پڑھا نہ سنا...... مسلمان کے گھر میں ہندو شرابی...... بھائی...... یہ بھی کیسی ہمدردی...... کسی نے دکھ کے چار بول بولے اور کہہ دیا...... آنچل مجھے مار...... آجاؤ...... تمہارا ہی گھر ہے...... رہ جاؤ...... اسی میں تو چوپٹ ہوئے مسلمان...... آج نہ دھان ہے نہ پسیری۔ جب بادشاہت تھی تو نوج دماغ خراب تھا...... کافروں کو جاگیریں بخش دیں۔ خوش ہو کے کھیت بدھار زمینیں سونپ دیں...... لو...... نیلام ہوگیا ناسب...... اب نیچو دھان بائیس پسیری...... نہ رہے گا رانیہ بھوج نہ آئے گا گنگوا تیلی...... یہ بسمتیا...... کمبخت...... اب تک ایک بار بھی بچے



کے رونے کی آواز آتی ہے...... بیمار ہے کیا...... بی اماں کا دل دھک سے کرتا ہے...... سانس کا مرض...... ایک بار چارپائی پر دھب سے بیٹھ جاؤ تو اٹھنے میں وقت لگتا ہے...... اور رموا...... او رموا...... کہاں ہے رے...... صبح صبح کوا اکائیں کائیں کر گیا اور سویا پڑا ہے...... کمبخت...... بچے کا بھی ذرا خیال نہیں...... پیئے گا تو رکشہ کیا چلائے گا رے......

"جی ملکن۔"

راموہڑبڑا کر باہر نکل آیا تھا۔

'کہاں تھا اب تک؟'

'جی'

'کل زیادہ پی لی تھی کیا؟'

'نہیں مالکن'

'تجھے ہزار بار کہا ہے۔ رہنا ہے تو ٹھیک طرح سے رہ۔ مسلمان کے گھر میں شراب کا ایک قطرہ گرنا بھی گناہ ہے۔ کل سے تو شراب نہیں پیئے گا۔ سنا...... اور ہاں...... تو نے آواز سنی'

'آواز...... کا ہے کی مالکن؟' راموا چانک ڈر گیا تھا......

'ارے کوے کی......'

'کوے کی...... دھت......'

کالے اور ٹیڑھے میڑھے نقشے والے، راموکے چہرے پر بڑی عجیب سی مسکان ابھر آئی — 'مالکن آپ بھی مذاق کرو ہو۔'

'مذاق نہیں رے......'

بی اماں کو غصہ آگیا تھا...... تو نے سنا نہیں...... اب لو۔ بڑے میاں سے

پوچھوتو جانتے ہو کیا ہیں گے...... کیا؟ لڑا کو ہوائی جہاز تو نہیں تھا؟ پاکستان نے پھر جنگ تو نہیں شروع ہوگئی؟ یہاں کے سب لوگ ہی افیم کھائے رہتے ہیں...... ہاں تو...... تو کر کیا رہا تھا۔ رکشہ چلانے کا ٹائم ہوگیا۔"

"نہیں مالکن...... اب نکلوں گا......'

'ہاں دیکھ۔ بچے کا خیال رکھنا...... اور باہر جو تھوڑے سے پودے ہیں ان کو پانی پلا دینا...... ہاں سچ بتانا۔ تو نے واقعی کوے کی آواز نہیں سنی۔'

'نہیں مالکن...... صبح سے کتنے ہی کوے کاؤں کاؤں کرتے جا چکے ہیں...... لگتا ہے کوئی آوے گا......'

'نہیں رے...... اچھا بتا کالیا بہت سارے کوے تھے' بی اماں نے آدھی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا......

'ہاں۔ بہت سارے کوے—'

'اور تو کان میں روئی ڈالے بیٹھا تھا۔'

'لو اور سنو...... اور کیا کرتا مالکن۔'

'صبح صبح کوا بولے تو بدشگونی ہوتی ہے...... سمجھا...... اچھا انور کہاں ہیں۔ دیکھا ہے؟'

'دیکھا ہے کیا مالکن'— رامو ٹھٹھا کر ہنس پڑا۔

'تو ہنسا کیوں؟'

'جس وقت میں اٹھا وہ اُسی وقت باہر کی کواڑ کھول کر چل دیے......'

'کہاں؟'

'کہاں...... ارے وہی...... پولیتھن جمع کرنے کو— صبح کا ٹیم ہے۔ لوگ کوڑے پھینکتے ہیں...... وہاں بھی اچھا سا پولیتھن مل سکتا ہے...... ہم کو مالوم



[illegible] تم تو [illegible] کہتے رہیں۔ انور بوا بتائن کہ ای پولیتھن ہے......'

رامو ایک بار پھر ہنسا۔

"خبطی کہیں کا...... پولیتھن جمع کرے گا...... وہ کیا ہے کم بخت کتاب کا نام...... ہاں بی اماں نے ذہن پر تھوڑا زور ڈالا......

اس سے پہلے ہی آواز آئی...... 'تمہیں یاد نہیں آئے گا بیگم۔ کبھی پڑھی ہے انگریزی......'

'تھو تھو...... میں کیوں پڑھتی بھلا فرنگیوں کی زبان۔'

'فرنگی چلے گئے مگر زبان تو ورثے میں چھوڑ گئے۔ آج جو نہ پڑھے وہ جاہل۔ جو پڑھے وہی قابل...... ہاں تو بیگم اس کتاب کا نام ہے گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ......'

بڑے میاں نے 'وہ مارا' کا توپ چھوڑتے ہوئے کہا۔

بی اماں شرمندہ سی ہوگئی تھیں...... ہاں ہاں...... جیسے تم ہی جانتے ہو......'

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ میاں انور بھی ہاتھوں میں کئی 'گندے'، 'چھنڈے' پولیتھن پکڑے چلے آئے۔ آدھی بات اُن کے کان میں بھی پڑ چکی تھی اور اُن کا سینہ فخر سے پھول گیا تھا۔ وہ اکڑ کر بولے......

'تم دیکھ لینا اماں۔ ایک دن میرا نام بھی گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں چھپے گا۔ دنیا کا سب سے زیادہ پولیتھن کا جمع کرنے والا۔ انور پاشا۔ باپ کا نام......"

'جاؤ...... جاؤ...... یہ الٹا پاٹھ اماں کو ہی پڑھانا۔ گینز بک میں باپ کا نام نہیں چھپتا۔' یہ راشدہ تھی جو بی اماں کا شور سنتے ہی اچانک سیڑھیوں سے نیچے

دالان خانے میں نازل ہوگئی تھی......

'کیوں نہیں چھپتا ـــــ باپ کا نام۔ ماں کا نام بھی چھپنا چاہئے۔ وہی تو پیدا کرتی ہے۔' بی اماں نے اپنی منطق پیش کی۔

'بس نہیں چھپتا۔ اب اظہر الدین کے ابا میاں کو کون جانتا ہے......' راشدہ ہنسی......

انور میاں نے پھر پٹکا دیا۔ اماں میری آدھی ریک بھر چکی ہے...... پولیتھن سے ــــ'

'پھر ایک دن پورا گھر بھر جائے گا۔' راشدہ نے مذاق اڑایا۔ 'پھر گھر میں پولیتھن اور باہر ہم...... کیوں اماں...... کیسا رہے گا تب......'

'جا...... ماروں گا......' انور پاشا نے غصّے سے مارنے کو ہاتھ اٹھایا۔

'یہ کیا خبط ہے انور ــــ' بی اماں کو غصہ آ گیا تھا...... 'نوج...... اب کیسی کیسی کتابیں بننے لگی ہیں...... میں تو کہتی ہوں یہ سب قیامت کی نشانی ہے۔ اب تو ایسی ایسی گندی گندی چیزیں کوڑے کے ڈھیر سے اٹھا اٹھا کر گھر میں رکھتا ہے گا تو ہیضہ نہیں پھیلے گا تو اور کیا ہوگا......'

'یہی تو کمال ہے اماں۔ تاکہ انہیں میری محنت اور مشقت کا بھی اندازہ لگے کہ میں، میاں انور پاشا نے کہاں کہاں سے جمع کئے ہیں۔ تبھی تو چھپتے ہیں گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں نام......'

'اچھا بتا نام چھپ گیا تو کیا ہوگا......؟'

'تم سب کا نام اونچا ہوگا اماں۔'

انور پاشا قہقہہ لگاتے ہوئے اوپر کی سیڑھیاں چڑھتے چلے گئے۔

'ہائے اللہ۔ اس گھر میں کیسے کیسے بچے پلتے ہیں۔ اب دیکھو، ذرا ٹھیک



...سے بات ... لیا۔ اب یہ سب لوگوں کو کہ کوا بولا ہے۔ ضرور آفت آئے گی ــــ مگر کوئی سنتا ہے...... اچھا راموتو جا۔ تیرا ٹیم ہو گیا۔ بستیا تو جا۔ ارشد میاں کو جگا تا۔ اتا اتا دن چڑھ آیا۔ سوتے رہیں گے۔ جوان آدمی۔ صحت کیا رہے گی۔ کیسا پیلا پڑ گیا ہے۔ تو جا اٹھا دے اُسے'

'جی اماں'

''بیگم تم خواہ مخواہ...... پورا گھر سر پر اٹھا لیتی ہو۔'' بڑے میاں نے ایک قہقہہ بلند کیا۔ اب کوا کے آنے پر بھی ٹیکس لگاؤ گی۔''

'نوج تم کو اس بڑھاپے میں مذاق سوجھ رہا ہے۔ کیسا کالا کالا ہوتا ہے موا...... صورت سے ہی منحوس لگتا ہے۔'

'گویا تمہیں صرف رنگ پر اعتراض ہے۔ اگر سفید ہوتا تو؟'

'سفید کیوں ہونے لگا۔' بی اماں کا پارہ چڑھنے لگا تھا۔

'ہوتا ہے اماں۔ امریکہ میں کوے سفید ہی ہوتے ہیں۔ اب دیکھ لو بھلا وہاں کے لوگوں کو تو یہ منحوس نہیں لگتا۔' راشدہ نے بھی اپنی پٹاری کھولی۔

ارشد میاں کے کانوں میں بھی صبح صبح کوا کے چیخنے کی بھنک مل چکی تھی۔ ایک تو رات بھر مچھروں نے اپنا بے سُرا گیت سنا سنا کر پریشان کیا اور صبح صبح اماں نے ایک نیا راگ الاپنا شروع کر دیا۔

جماہی لیتے ہوئے بولے۔ 'اب بولو بھی اماں کیوں بلایا ہے۔ اب سب کو جمع کیا ہے تو کوئی خاص بات بھی ہوگی۔ کیوں ہے یہ میٹنگ؟'

راشدہ کی طرف شرارتی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے ارشد میاں بولے۔

'گنبد پر کوا بیٹھ گیا تھا۔'

'اب بولوں کیا۔ بس کوا بولا تو مجھے سب کی فکر ہونے لگی۔ جب تک آنکھ

سے دیکھ نہ لوں چین نہیں پڑتا۔ ہاں تو میں کہہ رہی تھی۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔ اس گھر پر نحوست کا سایہ پڑنے والا ہے......'

ارشد پاشا نے پھر ایک لمبی جماہی لی۔۔۔ 'یعنی آج کا اجلاس بلائے جانے کا نیک مقصد ہے کہ صبح ہی صبح کوے کو آ کر اس گھر میں نہیں بولنا چاہئے۔'

'وہ بھی اماں کے رہتے ہوئے۔' راشدہ نے بھی چٹکی لی۔

'لو سمجھداری کی بات کرو ایک تو سنو دو۔ بس مل گیا تم لوگوں کو مذاق کا پہلو۔ ان بچوں سے تو خدا سمجھے۔'

بڑے میاں نے بچوں کو ٹوکا......'میاں یہ ہر بات کو مذاق میں لینا کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔ کوا آیا یعنی کوئی آنے والا ہے۔ صاف بات ہے......'

'لو......آنے والا......اب کون آئے گا یہاں اور کیوں آنے لگا بھلا۔ نوج مہمان نہ ہوئے شیطان ہو گئے۔ جب جی سمایا آدھمکے......میں تو یہ بولی کہ کوا بد شگونی کی نشانی ہے۔ صبح صبح کوا بولے اس کا مطلب ضرور کوئی خاص بات ہوگی۔'

'بات ہوگئی'......انور پاشا دھم سے سیڑھیوں سے کودے۔ چہرہ تروتازہ اور شاداب لگ رہا تھا—اماں میری کتابوں کی دوسری ریک بھی پوتھن سے بھر گئی......بس بننے ہی والا ہے میرا ورلڈ ریکارڈ۔'

وہ مسکرائے۔ فاتح کی نظروں سے سب کو دیکھا اور اکڑتے ہوئے یہ جا وہ جا____ پلک جھپکتے دروازے سے باہر......

'پاگل—' بڑے میاں بڑبڑائے۔ یہ لڑکا بھی نالائق نکل گیا۔ باہر جا کر پوتھن اکٹھا کرے گا۔ کیسے نرالے کھیل ہیں اس کے......'

راشدہ اکتائی ہوئی بولی۔ ہم بھی چلے......یہ صبح ہی صبح ایک نیا کھیل شروع ہو گیا گھر میں......آپ بھی کمال ہیں اماں۔ کوا بولا نہیں کہ پریشان ہو لی



کیسے نہیں چلتا۔' اس بار بڑے میاں نے راشدہ کو آنکھیں دکھائی تھیں......مانا تم نئے زمانے کے ہو بچو......مگر یاد رکھو پرانی روایتوں کی بھی اپنی ایک سچائی ہوا کرتی ہے۔ کسی نے دیکھا سنا، تبھی تو اس طرح کی روایت آج بھی جاری ہے......"

ارشد میاں بھولی صورت بنائے ہوئے بولے......"اماں۔ آج میرے ساتھ صبح ہی صبح ایک انوکھی بات ہوگئی____ میں بستر پر لیٹا تھا کہ ایک گرگٹ ٹھیک میرے سینے پر گرا......"

"ہائے اللہ گرگٹ۔ لو سنو۔ ارشد میاں کی بھی......تم خیریت سے تو ہو نا......میرا مطلب کہ......کچھ ہوا تو نہیں......اب بتاؤ صبح ہی صبح کوا چیخا اور ارشد میاں کے سینے پر گرگٹ گرا۔ وہ تو اچھا ہوا سانپ وغیرہ نہیں تھا......ذرا سوچو اگر کوئی بھاری چیز ہوتی تو......"

بی اماں کی باتوں میں دم تھا۔ بڑے میاں سوچ میں پڑ گئے تھے۔

"تو اب حکم یہ ہے......" ارشد میاں معصومیت کی گٹھری بنے بولے......

"کہ کل سے کوے کو صبح صبح اس گھر میں نہیں آنا چاہئے......میرے خیال میں باہر بورڈ لگانا کیسا رہے گا......کسی بھی جانور، چرند پرند یا آدمی کو گھر میں داخل ہونے سے قبل پرمیشن لینا ضروری ہے......"

"مذاق نہیں بچے۔" بڑے میاں اچانک کچھ سوچ کر سنجیدہ ہو گئے تھے......

پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے......تم دیکھ لینا بیگم یہ پاکستان جنگ کروا کے چھوڑے گا۔ اب بھلا کشمیر کے آتنک وادیوں کو ہتھیار سپلائی کریں گے تو یہاں والوں کو بُرا تو لگے گا ہی......مجھے تو لگتا ہے کہ جنگ کی ساری تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں......"

''مَتی ماری گئی ہے تمہاری......'' بی اماں کو غصّہ آ گیا تھا۔ اسی لیے کہتی ہوں ہر وقت ٹی وی کے آگے مت بیٹھا کرو۔ بات کوئی بھی ہو لے آؤ گے اپنا پاکستان۔ ارے کوئی جنگ ونگ نہیں ہوگی۔ بس کوا صبح صبح آ کر بدشگونی پھیلا گیا...... تم لوگ اپنا اپنا خیال رکھو۔ یہی کہنا ہے۔ زمانہ اچھا نہیں۔ کب کیا ہو جائے......''

''آپ سے تو خدا سمجھے اماں......'' ارشد پاشا دل ہی دل میں بڑبڑائے...... اب لو صبح صبح کوے میاں کے بولنے پر بھی پابندی لگ گئی اور ٹر ٹراؤ کوے میاں۔ کوئی اور گھر نہیں ملا پریشان کرنے کو...... چلے آئے بے چارے اتاترک کمال پاشا کے شاہی خاندان کو چھیڑنے کے لئے۔ اب لیجئے فرمان جاری ہو گیا نا...... بغیر پرمیشن کے آپ یہاں کائیں کائیں نہیں کر سکتے......''

نشست برخاست ہو چکی تھی۔ بڑے میاں آہستہ سے بولے...... اب چلو بھی...... مجھے دفتر بھی جانا ہے......''

بی اماں اپنے 'اشتم پشتم' بدن کو سنبھالتے ہوئے چارپائی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ٹھیک اُسی وقت اوسارے کے پاس والی چھت سے آواز آئی......

کائیں...... کائیں......

اور ایک کوّا اڑان بھرتا ہوا تیزی سے، سب کی آنکھوں کے آگے سے گزر گیا۔ بی اماں اپنی جگہ پتھر کی مورت میں تبدیل ہو گئیں۔ غصّے کے مارے لال پیلی...... کمبخت منحوس — میں نہ کہتی تھی، اس گھر پر نحوست کے قدم پڑنے والے ہیں...... خدا خیر کرے......''

ارشد میاں کی ہنسی نکل گئی۔ وہ اپنی ہنسی کو دبائے ہوئے تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔



(3)

راشدہ کو بی اماں کی باتیں پسند نہیں آئی تھیں — اسے گھر کا ماحول ہی پسند نہیں تھا۔ جب دیکھو تب گھبرائے ہوئے لوگ — ابا تو بس پرانی یادوں کے غلام تھے — کاشی کے گلی کوچوں سے ابا کو ڈر لگتا تھا — لیکن انور پاشا ابا حضور تغلق پاشا کے خیالوں سے مختلف۔ وہ ہمیشہ غصے میں رہتے تھے، اس وقت بھی وہ راشدہ کے پیچھے پیچھے اس کے کمرے میں آ گئے۔

''اس گھر میں کسی کا بھلا نہیں ہو سکتا—''

راشدہ نے برا سا منہ بنایا—'اب یہ بھلائی کی بات کہاں سے آ گئی—'

'کوئی ہمارا بھلا چاہتا ہی نہیں۔ اس گھر میں ہر آدمی اپنے بارے میں سوچتا ہے اور بی اماں تو غضب کرتی ہیں۔ اب ذرا ذرا سی بات پر بی اماں کا سارا گھر سر پہ اٹھا لینا برا لگتا ہے— اور ابا حضور تو ایسے ڈرتے ہیں جیسے قدم قدم پر ہمارے لیے خطرہ ہو— آنے میں دیر ہو گئی تو یہاں سب کی جان سوکھ جاتی ہے کہ بیٹے کو کسی نے مار نہ دیا ہو۔ ارے ہم کوئی کم ہیں۔ اتنا ہی ڈر تھا تو پھر پاکستان کیوں نہیں چلے گئے— یہاں غیروں میں رہنے کے لیے کس نے کہا تھا۔''

راشدہ نے غصے سے منہ بنایا—'بس یہی باتیں ہمیں دوسروں سے الگ کرتی ہیں۔ آپ وہی سوچتے ہیں جو ایک تنگ دل ہندو سوچتا ہے۔ اس لیے آگ نہیں بجھتی۔ ارے ہم میل ملاپ سے بھی تو رہ سکتے ہیں۔ اور جب ایک ملک میں رہنا ہے تو ہم ان کے لیے غیریت اور نفرت بھرے لفظ استعمال ہی کیوں کرنے

ہیں۔

انور پاشا کو غصہ آ گیا تھا— ”تم جیسے اس ملک میں رہتی ہی نہیں ہو راشدہ۔ اس وقت اس ملک کی صورتحال کیا ہے۔ سارا ملک بارود کے نشانے پر ہے— مسلمان تو پہلے ہی مجبور اور بے بس تھے۔ اب اُنھیں اپاہج اور لاچار بنانے کی کوشش ہو رہی ہے— اور یہاں کاشی کے ان گلی کوچوں میں نفرت کا زہر بھرا جا رہا ہے“

’بھیا یہ سب تمہارا وہم ہے— چند لوگ برے ہو جائیں تو پورا ملک برا نہیں ہو جاتا— ہم یہاں اب بھی محفوظ اس لیے ہیں کہ یہاں ایک بڑا طبقہ اچھے لوگوں کا بھی ہے— اور یہ طبقہ ہمیشہ سے ہے، اور یہ طبقہ ہمیشہ مسلمانوں کے لیے مضبوط سہارا بن کر سامنے آ جاتا ہے۔ رہی بنارس کی بات تو تاریخ میں نے بھی پڑھی ہے بھیا— یہاں ۱۰۱۹ء تک محمود غزنوی کا حملہ ہو چکا تھا— ۱۱۹۴ میں یہاں قطب الدین ایبک نے حملہ کیا— مسلمانوں نے حملے کے علاوہ جانا ہی کیا۔ ایک مدت تک یہاں مسلمانوں کی حکومت رہی۔ مندروں کو توڑا گیا۔ ہنمان پھاٹک کے پاس اڑھائی کنگورے کی مسجد بنی— کچھ اور مسجدیں بھی اسی عہد کی ہیں۔ جون پور کے لال دروازہ مسجد میں آج بھی سنسکرت کا شیلا لیکھ موجود ہے۔ نفرت تو ایک دن جنم لیتی ہی ہے بھیا—

انور پاشا غصے میں دہاڑے— ’یہ بس ان کی تاریخ ہے— یہ حکومت کرنا نہیں جانتے تھے تو اس میں مسلمانوں کی کیا غلطی؟ ایسٹ انڈیا کمپنی کی آمد کے بعد یہاں کی صورتحال بالکل بدل چکی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر گھاٹوں، مندروں اور نفرت کا شہر بن گیا— لیکن ہم ان کی نفرتیں کیوں برداشت کریں؟ سچ پوچھو تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا—



ہے—

ارشد پاشا کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولے—

”تو آپ ہماری باتیں سن رہے تھے—“

انور پاشا نے غصہ سے ارشد پاشا کو دیکھا—

”ہاں— سوچ رہا تھا تم نے اپنے اندر کتنی نفرتیں جمع کر لی ہیں۔ اگر ایک نفرت وہاں بھی ہے تو تم میں اور ان لوگوں میں فرق ہی کیا ہے؟“

راشدہ مسکرائی— ”بھیا ٹھیک کہتے ہیں— یہ وقت ہوش کھونے کا نہیں ہے— ہم بھی ہوش کھو دیں گے تو مسائل اور بڑھ جائیں گے—“

کمرے کے باہر سے ابھی ابھی بی اماں کے چلانے کی آواز آ رہی تھی۔

”ارے بسنتیا کہاں مرگئی— تیرا شرابی شوہر کہاں ہے۔ رکشہ چلانے نہیں گیا— اس سے کچھ سامان منگوانے ہیں اسٹور سے—“

ارشد پاشا گہری سوچ میں ڈوبے تھے— ”فضا اچھی نہیں ہے— ادھر پاکستان نے کشمیر کا راگ الاپنا شروع کر دیا ہے۔ ڈونڈا میں بم دھماکے ہوئے اور ادھر بابری مسجد— اللہ خیر کرے— یہ معاملہ جب بھی اٹھتا ہے ملک میں آگ لگ جاتی ہے—“

انور پاشا کی طرف دیکھتے ہوئے وہ باہر نکل گئے۔

انور پاشا نے گھوم کر راشدہ کو دیکھا — بھیا کی
سنا۔ یہ لوگ انٹلکچول بنتے ہیں۔ ہیں نہیں — بننے کی کوشش
کرتے ہیں۔ آج کے زیادہ تر مسلم نوجوان اسی سیکولرزم کے لبادے کو پہن کر
انٹلکچول بننے کا ناٹک کر رہے ہیں —“ انور پاشا ہنسے — ”ذرا سی

فضا خراب ہو جائے تو ان کی دانشوری کی ہوا نکل جاتی ہے......"
راشدہ خاموش تھی۔ انور پاشا اپنے کمرے میں لوٹ گئے تھے۔ راشدہ کو اپنے چاروں طرف اندھیرا نظر آ رہا تھا۔ اس گھر میں اس کا مستقبل کیا ہے؟ یا اس ملک میں کسی بھی مسلمان لڑکی کا مستقبل کیا ہے؟ پڑھائی — پھر کسی گھر کی گھونٹ سے باندھ دیا جانا اور ساری زندگی ایک گھریلو عورت کی طرح جینا۔"
اس کی آنکھوں میں ننھے ننھے آنسو تیر رہے تھے۔ لیکن ان آنسوؤں کو دیکھنے والا کوئی نہیں تھا—

(4)

بڑے میاں، بڑے میاں بس گھر پر تھے۔ آفس میں تو بڑے بابو تھے۔
ہیڈ کلرک...... سب کے بڑے بابو...... نئے ہوں یا پرانے...... بڑے بابو ذرا وہ فائل دیکھ دینا...... بڑے بابو ذرا یہ کام دیکھ لیجئے۔ بڑے بابو! وہ کام ہو گیا____ تپلا دبلا جسم۔ قد لگ بھگ چھ فٹ...... سخت انگلیاں...... تجربہ کار آنکھیں۔ آنکھوں پر جھولتی ہوئی موٹے شیشے والی عینک...... جہاں بیٹھتے تھے وہاں فائلوں کے ڈھیر لگے ہوتے...... گول گول آنکھیں فائل پر تیر رہی ہوتیں...... کتنا وقت گزر گیا...... شاید ایک لمبا عرصہ ایس ڈی او آفس کی کلرکی کی نذر ہو گیا...... کام کرتے کرتے جھنجھلائے سے بڑے میاں اپنے خاندانی وقار اور منصب کا راگ الاپتے رہتے ہیں......
"مہتہ...... پتہ نہیں کس برے لمحے نے ایس ڈی او آفس میں ڈال دیا۔ اللہ رکھے کیا نہیں تھا اپنے پاس...... اتاترک کمال پاشا کے شاہی خاندان سے تعلق ہے ہمارا......"



[illegible] بڑے میاں...... سی ہمارا بھی زمانہ تھا مہتہ...... وہ جو کہتے ہیں کہ دھن گیا تو نوکر بھی گئے...... سو سب کچھ ختم ہو گیا...... پرکھوں نے جو عیش کئے تو کئے، خوش ہو کر ساری جاگیریں کافروں میں بانٹ دیں...... کون کہہ سکتا تھا کہ پاشا خاندان کے وارثوں کو کبھی یہ دن بھی دیکھنا نصیب ہوگا...... پھر قسمت کا لکھا اس آفس میں لے آیا......"
"وہ تو اچھا ہوا بڑے بابو، آپ تھوڑا پڑھ لکھ گئے۔ ورنہ اس کلرکی سے بھی جاتے رہتے......"
پڑوس والی میز سے مہتہ کی آواز بلند ہوتی اور پورے کمرے میں زور سے ٹھہاکے کی آواز گونج جاتی۔
قلم روک کر فائل سے نظر اٹھا کر زبل بھی ایک نظر بڑے بابو پر ڈالتا____
"کیوں تاریخ کے گڑے مردے اکھاڑتے ہو بڑے بابو۔ جو نہیں ہے اُس کا غم ہی کیا کرنا۔ اب دھن نہیں ہے تو پھر کیسا ہاتھی اور کیا ہاتھی کا خریدنا۔ تمہارے پاس تو اور کوئی کہانی ہی نہیں ہے...... خالی ہوئے نہیں کہ شروع ہو گئے......"
بڑے بابو کے بدن میں جیسے آگ لگ جاتی...... "شکر کرو کہ ایک لمبی مدت تک مسلمان بادشاہوں کی حکومت ملی ہے میاں کہ تھوڑے بہت اخلاق سے واقف ہو۔ ورنہ یہ سرمایہ بھی تمہارے پاس نہیں ہوتا......"
غصہ آنے پر بڑے میاں یہی راگ الاپا کرتے تھے۔ مگر ان کے ساتھ کام کرنے والے کبھی بھی بڑے بابو کی ان باتوں پر بگڑتے نہیں تھے۔ بلکہ مزہ لیتے تھے۔ اب زبل نے جو یہ بات سنی تو مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔
"ٹھیک کہتے ہو بڑے میاں...... اب تلوار کے زور پر حکومت تو رہی نہیں کہ اسلام کا بول بالا ہو اور اخلاق کا پاٹھ پڑھایا جا سکے۔ نہ نادر شاہ نہ تیمور لنگ......

اب جب تم اخلاق سکھاؤ گے تو سیکھیں گے......

بڑے میاں غصہ سے جل اٹھتے...... جیسے زحل نے سیدھے ان کی شہ رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہو...... تاؤ کھا کر بولے......''اب تم اور کہو گے بھی کیا، کھسیانی بلی کھمبا نوچے...... میاں جان لو...... اسلام ہمیشہ حق کی آواز پر پھیلا ہے...... یہ تمہارے نصاب کا جھوٹ ہے جو بچپن سے تمہیں گھول گھول کر پلایا جاتا رہا ہے کہ مسلمان بادشاہ ایسے رہے ویسے رہے...... تلوار کے زور پر اسلام کو پھیلایا''۔

بڑے میاں کو پتہ نہیں کہاں سے اچانک اورنگ زیب کی یاد آجاتی۔ پھر لہک کر شعر پڑھتے ــــــ

تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا

کہ اورنگ زیب ہندوکش تھا، ظالم تھا، ستمگر تھا

''میاں، باپ داداؤں کی جو تاریخ ہے اسے یوں بدلنا چاہو تو بدلے گی تو نہیں۔ اب جو تم لوگ تاریخ کی کتابوں میں جھوٹ جھوٹ لکھ لکھ کر بچوں کی برین واشنگ کرنے پر تلے ہو تو اس میں وقت لگے گا بچو۔ کافی وقت۔ اب لاکھ بتاؤ کہ مکہ معظمہ میں میکسا کا مندر ہے۔ قطب مینار اشوک کی لاٹ اور تاج محل...... میاں جان لو جو سچ ہے وہ سچ رہے گا اور ایک دن...... ہاں کان کھول کر سن لو ــــ سب کو اسلام کے جھنڈے تلے آنا پڑے گا......''

بولتے بولتے بڑے میاں کی سانسیں اکھڑ جاتیں...... دوسری میز سے کسی رامیشور کی آواز اُبھرتی ــــــ

''مسلمانوں میں دم باقی نہیں ہے......''

کھانستے کھانستے بڑے میاں پلٹ پڑے......''کس نے کہا ــ رامیشور کے بچے ــ یہ پکڑو اپنی فائل...... میں نہیں دیکھنے کا...... میں سب سمجھتا ہوں تم لو بول لو...... کاروبار [illegible] کرنے کا......''

کھانستے کھانستے بڑے میاں کرسی پکڑ لیتے ــــــ

مہتہ اپنی میز سے اٹھ کر ان کے پاس کھڑے ہو جاتے۔''آپ کو پرانا دمہ ہے بڑے میاں۔ آپ کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاتے کیوں نہیں......''

''کس کو دکھاؤں بھائی''۔

بڑے میاں ابھی آئے ہوئے طوفان کو بھول جاتے......''ایک پورے خاندان کی ذمہ داری ہے مجھ پر...... کیا کیا کروں...... لڑکی جوان ہو رہی ہے...... اب دو چار پیسوں کے لئے ایمان نہیں بیچا جاتا میاں۔ یہاں سو طریقے ہیں پیسہ کمانے کے...... لیکن یہ سب نہیں ہوگا...... کئی بار بے ایمانی آئی بھی...... لیکن ہر بار اللہ رسول اور ایمان آڑے آجاتا ہے...... اب جو وقت بچا ہے......

پھر کھانسی اٹھی اور بڑے میاں کی آنکھوں میں لال لال ڈورے تیر گئے......

کچھ دیر کے لئے آفس میں خاموشی چھا گئی۔ آفس کا پرانا چپراسی سعید دوڑ کر بڑے میاں کے لئے گلاس میں پانی لے آیا۔ بڑے میاں آنکھوں میں امڈ آئے آنسوؤں کو پوچھتے ہوئے کہتے......

''میاں سعید بس تمہاری یہ ادا طبیعت خوش کر دیتی ہے...... جیتے رہو۔''

''اب کیا جیوں گا میاں! اب تو بچوں پوتے پوتیوں کو جینے کی دعا دو۔''

سعید خالی گلاس ہاتھ میں اٹھاتا ہوا کہتا......''لیکن دل نہیں مانتا بڑے بابو۔ اتنا ضرور کہوں گا۔ یہ روز جو تم ڈفلی لے کر پرانے راگ الاپنے لگتے ہو نا، اس سے اور کچھ تو نہیں ہوتا، کڑھن ہوتی ہے...... کیوں گڑے مردے اکھاڑ کر اپنا دل دکھی کرتے ہو۔ اب تو یہی سب کچھ ہے بڑے بابو ــ اور ماشاء اللہ تمہیں فکر کس

بات کی...... دودو جوان لڑکے ہیں۔ تمہیں کھلائیں گے۔ عیش کرائیں گے......"

"اب کا ہے کی عیش سعید میاں"۔ بڑے میاں لمبی سانس کھینچتے۔ بس ہر وقت بچوں کی فکر جان میں دم کئے رہتی ہے...... کب کچھ ہونے کے لائق بنیں گے۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں تو چین کی سانس لوں......"

ماحول میں دکھ کے رینگتے ہوئے کیڑے دیکھ کر زل پھر چٹکی لیتا......" یہ بڑے بابو آپ لوگ ہمیشہ لڑتے کیوں رہتے ہیں۔"

"کیا مطلب۔"

اب یہ ایران عراق کی جنگ دیکھئے...... پاکستان میں دیکھئے...... مہاجروں کو کیسا پیٹ رہے ہیں بلوچی پٹھان...... یہ چار چار شادیاں کرنے سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا بڑے میاں— یہ شیعہ سنی اور مہاجر، بلوچ کے نام پر لڑتے رہو گے تو ایک دن تمہاری نسل ہی ختم ہو جائے گی...... پھر چیتے رہو اسلام کا نام......"

"کون کہتا ہے......"

بڑے میاں کی آواز پھر پتھر کی طرح سخت ہو جاتی— کڑا کے دار آواز میں شعر پڑھتے

'اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد...... میاں سچ کہوں تو تم لوگ جلتے ہو؟'

"اب جلنے کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی بڑے بابو...... تم یہاں کسی معاملے میں بھی ہمارے برابر نہیں اور جہاں برابر ہو وہاں بھی پٹ رہے ہو......"

"برابر کیسے نہیں۔ کس معاملے میں کم ہیں ہم......"

"اب جو کہہ لو بڑے بابو...... لیکن اتنا تم خود ایمان سے کہو، پاکستان کی بھول پر آج بھی پچھتارہے ہو کہ نہیں؟ ایمان سے جواب دو ایسا ہے کہ نہیں......"



ہاں بھائی— بڑے میاں سر جھکا لیتے...... یہ تمہاری بات سولہ آنے سچ ہے۔ ایک پاکستان کیا بنا، دلوں کے ٹکڑے ہو گئے...... اپنے تو ٹکڑے کر کے چلے ہی گئے۔ یہاں بھی شرمسار ہوئے کہ میاں تم نے تو اپنا ملک لے ہی لیا اب کرایہ دار بن کر زندگی جیو...... ہاں میاں لعنت ہے اُن مسلم نیتاؤں کی سوچ پر جن کے ذہن میں پاکستان بنانے کا خیال آیا تھا......"

بڑے میاں سرد آواز میں کہتے— بولتے ہوئے ان کے چہرے کی رگ رگ تن جاتی۔ چہرہ لال سرخ ہو جاتا...... جیسے پرانی کہانی کے زخم ایک دم سے جاگ گئے ہوں...... تازہ ہو گئے ہوں...... سب کچھ تو آس پاس ہی ہوا لگتا ہے...... جیسے ابھی حال میں سب کچھ گزرا ہو...... ابھی ابھی آیا ہو طوفان اور سب کچھ سمیٹ کر لے گیا ہو......

چھوٹے بھائی تاجور پاشا کی اچانک یاد آجاتی— جو آزادی ملنے کے ٹھیک دس سال بعد پاکستان جا بسا تھا۔ سب کچھ چھوڑ کر۔ گھربار— یہاں ہے کیا بھیا۔ تم بھی چلو...... نا...... تعلق پاشا کی آنکھوں میں آنسو تھے— باپ دادا کی قبریں تو ہیں یہاں...... دکھ میں دو آنسو بہالوں گا تو چین مل جائے گا...... تو یہیں رہ جا، تاجور...... یہاں سب ملے گا...... لیکن تاجور پاشا کو یہاں کی خاک راس نہ آسکی۔ پاکستان چلا گیا۔ دو سال بعد اُس نے وہاں شادی بھی کر لی۔ کہتے ہیں وہاں کی کسی اچھی فرم میں منیجر ہو گیا ہے۔ اس درمیان کتنی ہی بار تاجور پاشا نے اسے بلایا بھی۔ مگر ان کو نہ جانا تھا نہ گئے۔ ہاں درمیان میں تاجور خود ہی آیا تھا۔ بیوی کو لے کر۔ دو بچے تھے۔ شائمہ اور نصرت...... چند دن بچوں سے کھلے ملے رہے۔ پھر جانے کا پروانہ آ گیا...... ویزا ختم۔ واپسی کے وقت کتنا رو رہے تھے تاجور...... بھیا، وہاں سب کچھ ہے...... عزت دولت، شہرت۔ پھر بھی تہی دامن لگتا

ہوں بھیا۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ باپ داداؤں کی [illegible] قریب ہیں......
جاتے وقت کیسا پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا تاجور...... بچے بھی...... اس کی
بیوی بھی...... چند دنوں میں ہی کیسا پیار اُمڈ آیا تھا...... شائمہ بھی رو رہی تھی...... چچا
ابا...... ہر وقت دل دھڑکتا رہتا ہے...... پتہ نہیں کب سرحدیں بند ہو جائیں......
آنے جانے پر پابندی لگ جائے...... آپ لوگوں کو کبھی دیکھا نہیں تھا۔ چچا ابا......
کہانیاں سنی تھیں...... کیسے کھیلتے تھے...... کیسے ہنگامے ہوتے تھے...... اور اب......
چند دنوں میں ہی آنکھیں جانے کی تاریخ پر جا کر ٹھہر جاتی ہیں......

آنکھیں آنسوؤں کی داستان لکھ رہی تھیں...... تغلق پاشا کے جسم سے جیسے
کسی نے سارا لہو نچوڑ لیا ہو...... کیا کہیں شائمہ کو...... کیا جواب دیں...... تاریخ کے
رتھ نے چلتے چلتے جو منزل پائی ہے، اس کی وضاحت کیا کریں...... آنکھیں
چھلکیں...... روتے روتے تاجور پاشا کی بھی آنکھیں پھول گئی تھیں...... اب اپنی
غلطی کا احساس تو ہوتا ہے بھیا...... مگر...... آواز درد میں ڈوب جاتی ہے...... مگر اب
بہت دیر ہو چکی ہے...... بہت دیر...... جیسے برسوں بعد ایک خاندان میں بٹنے کے
بعد میں ملا ہوں، پتہ نہیں یہ بچے آپس میں کب ملیں گے؟ کب ملیں گے......؟''

آنکھیں آنسوؤں سے جل تھل ہیں...... فائل سے نظر اٹھاتے ہوئے
ڈرتے ہیں بڑے میاں ــــ یہ آنسوؤں کے درد کی چغلی نہ کھا دیں...... سر جھکائے
فائلیں پلٹ دیتے ہیں...... کسی صفحہ پر آنسو کا ایک موٹا سا قطرہ گرا ہے...... ہاتھ
کانپ رہے ہیں...... شہادت کی انگلی اس قطرے تک آ کر ٹھہرتی ہے...... صفحہ پر اس
جگہ تھوڑی سیاہی پھیل گئی ہے...... رب العزت رحم...... رحم کرنا...... ٹھنڈی سانس
بھرتے ہیں بڑے میاں......

اپنی اپنی میز سے نرل، مہتہ اور کچھ دوسرے بڑے میاں کے اندر آئے



ہوئے طوفان کو [illegible] ......یں کو بانٹی ہیں کہ بڑے میاں سب کو پیارے
ہیں...... اتنی بار ان کے اندر کے زخم دیکھے ہیں ان لوگوں نے...... کہ ہر بار بڑے
میاں کے لئے ایک پیار اُمڈا ہے...... جانتے ہیں، اندر سے چھلنی چھلنی ہیں بڑے
میاں...... درد دیکھ کر تڑپ جانے والے......

مہتہ بڑے میاں کو یادوں کے گھنے جنگل سے دور کرنے کے لئے نئی چال
چلتا......

''بڑے میاں! کل ٹی وی پر سماچار دیکھا آپ نے...... ایران عراق میں
جنگ ختم ہو گئی۔ ضیاء کے بعد پتہ نہیں پاکستان کا کیا ہو گا......''

''کچھ کہا نہیں جا سکتا......'' بڑے میاں پلٹ کر کہتے...... ویسے یہ اچھا
ہوا...... چلو آٹھ سال سے چلی آ رہی مصیبت تو ختم ہوئی...... یہ اچھا قدم اٹھایا
دونوں ملکوں نے......''

''کہتے ہیں کہ یہ جنرل اسحاق خاں اچھا آدمی ہے۔ ضیاء کی حکومت کے
دوران تو ہندو پاک کے تعلقات اچھے نہیں رہے......''

''ہاں سچ کہتے ہو...... مگر پاکستان کے مستقبل کے آگے سوالیہ نشان لگ
ہی گیا ہے...... اب ایمرجنسی لگا کر تو حکومت نہیں ہو سکتی...... عوام اتنی ہوشمند ضرور
ہے کہ دباؤ اور آزادی میں فرق کر سکے...... میں تو پاکستان سے آئے ہوئے جن جن
لوگوں سے ملا ہوں میاں، سب طرف یہی سننے کو ملا ہے کہ ہمارے پرکھوں نے یہ
بٹوارہ کر کے اچھا نہیں کیا۔ کوئی خوش نہیں ہے...... وہ وہاں پچھتاتے ہیں اور یہاں
ہم...... ملک کا بٹوارہ نہیں تھا میاں یہ تو دلوں کا بٹوارہ تھا۔ دلوں کی آہ لگی ہے
میاں...... کچھ تو اثر کرے گی ہی......''

بڑے میاں ٹھنڈی سانس بھر کر چپ ہو گئے۔ پھر فائلیں الٹی پلٹی جانے

نکلیں...... انگلیوں میں قلم کانپتا رہا...... اندر کسی [illegible] بار بار [illegible]
رہی۔ وہ کیا تھے اور کیا ہو گئے...... کیسا شاندار ماضی...... وہ بھی کیا دن تھے...... کیسے
شور غوغا کے دن...... یہی گھر تھا جو کبھی شہر میں پاشاؤں کی کوٹھی کے نام سے مشہور
تھا...... تب شہر میں کیا رعب، دبدبہ تھا۔ جاگریں تھیں...... وہ زمانہ بھی دیکھا کہ کوٹھی
کے باہر ہاتھی کھڑے رہتے تھے اور ہاتھی وان ہاتھ جوڑتا ہوا نظریں جھکا کر کہتا ــــ
جناب سواری تیار ہے...... چم چم کرتی براق شیروانی پہنے ابا حضور اجمل پاشا اپنے
دونوں بیٹوں تعلق پاشا اور تاجور پاشا کے ساتھ باہر نکل آتے۔ ادب کے ساتھ فیل
بان سلام کرتا...... اور یہ نکلی رجبہ کی سواری...... کتنی ہی آنکھیں تھیں جو بچوں کے چم
چم کرتے لباسوں پر جا کر ٹھہر جاتیں اور عش عش کر اٹھتیں......

تب کیسے کیسے لوگ تھے اور کیسے کیسے انوکھے قصے...... پھر اچانک جیسے نیند
کھلی ہو...... اور سب کچھ غائب۔ جو تھا وہ خواب تھا...... ابا حضور اجمل پاشا کو کب
دل کا دورہ پڑا...... کب انتقال ہوا...... سب کچھ آناً فاناً ہو گیا...... ہوش تو اس وقت
آیا، جب خاموش آنگن اور عمر کی کچی سیڑھیاں، گھر کے سونے بام و در کو دکھا کر قبل
از وقت آئی ہوئی ذمہ داری کو تھام لینے کی پکار کر رہے تھے...... دالان کے ایک تنہا
گوشے میں اماں حضور کی دھندلی آنکھیں گھر کے مستقبل کے لئے اُس کے کمزور
کندھوں کو دیکھ رہی تھیں......

''اب تو تم ہی سہارا ہو...... باپ داداؤں کی جاگیریں تو بند آنکھوں کا
خواب ہوا کرتی ہیں......''

نوجوانی کے کمزور کندھے پر ذمہ داری کا بوجھ آیا—— نہ جاگیریں تھیں نہ
قارون کا خزانہ...... اندھیرا تھا اور اندھیرے میں نہیں سجھائی دینے والے ہاتھ
تھے...... یہ وہ وقت تھا جب ابا حضور کی ناوقت وفات کے بعد انہیں پڑھائی کو سرے



[illegible] زندگی کا ایک نیا سفر شروع ہونے تک ان
حضور نے بھی آنکھیں موندلیں...... اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے مضبوط تو
انا کندھوں کو تھکا تھکا محسوس کریں...... کیا دیکھتے ہیں کہ تاجور پاشا شجرہ قلم اٹھائے
پشیمان سے ان کے سامنے کھڑے ہیں......

''بھیا! میں پاکستان جا رہا ہوں......''

''کیا...... ؟''

وہ اندر سے، ایکدم سے لہولہان ہی تو ہو گئے...... پا...... کستان...... اس
ایک لفظ نے ایٹم بم جیسا اثر کیا...... کچھ دیر کے لئے تو جیسے ان پر سکتہ سا طاری
ہو گیا...... کچھ کہہ بھی تو نہیں سکے...... کہ بھائی...... کیا بگاڑا ہے میں نے...... جو اتنی
بڑی سزا دیے جا رہا ہے تو...... ابا حضور اور امی حضور کے قافلے کے بعد ایک تو ہی تو
سہارا ہے میرا...... تو بھی چلا جائے گا...... ؟

''بھیا...... سب بندوبست ہو گیا......'' ٹکڑے ٹکڑے آوازیں جیسے آتش
فشاں کی طرح اس کے پرخچے اڑا رہی تھیں...... بہت تھک گیا تھا...... مایوس ہو گیا
تھا...... آزادی کے دس سال غیریت کے احساس کو دھو نہیں سکے بھیا...... دل پر میل
سی جمی ہے...... سچ ہے جب ہم نے اپنا الگ وطن لے لیا تو پھر ہمیں یہاں رہنے کا
حق ہی کیا ہے......''

نظریں جھکیں...... تعلق پاشا غش ہی تو کھا گئے۔ پل میں لگا، یہ چھوٹا بھائی
تاجور نہیں ہے...... اُس کی جگہ کسی اور نے لے لی ہے...... وہ...... جو اپنی ذمہ داری
کو محسوس کرتے ہوئے...... پوری نہیں ہونے کی صورت میں ٹوٹ گیا ہے...... بُری
طرح لہولہان ہو گیا ہے...... جسے—— اتنی بڑی آبادی والے ملک میں، بڑے
بڑے کمرے والی آفسوں میں کہیں ایک میز بھی نہ مل سکی...... وہ آدمی بول رہا

ہے...... تھکا تھکا اور اپاہج ...... غیریت ...... ورنہ یہ لفظ تو نہ جانے [illegible] ......
شاید ٹھیک کہہ رہا ہے تاجور...... آزادی سوغات کے روپ میں فساد کے جو تحفے لائی
ہے...... وہ تحفہ ہضم نہیں ہوتا ...... کتنے ہی سوالات کو جنم دیتا ہے...... تم آزاد کب
ہو...... ہونٹوں پر قفل لگی یہ کیسی آزادی جھیل رہے ہو...... پاکستانی ...... کتنی ہی بار
اس لفظ سے اُن کا بھی سابقہ پڑا ہے...... تم پاکستان نہیں گئے...... میاں! تم لوگ
دہری پالیسی رکھتے ہو...... وہاں بھی حکومت اور یہاں بھی...... تم لوگ غدار ہو......
پھٹی پھٹی آنکھوں سے تعلق پاشا چھوٹے چھوٹے بچوں میں اترتے ہوئے فرق کے
جراثیم کو دیکھ رہے ہیں...... ان کا اپنا چھوٹا لڑکا باہر کھیل رہا ہے...... بہت سے
دوسرے بچے بھی ہیں...... کھیل کبڈی کبڈی...... چھوئی...... تی...... روتا ہوا ارشد گھر
میں داخل ہوا ہے...... اور یہ کیا...... نجمہ نے اُس کے کان پکڑ کر کھینچ دیے ہیں......
بول کیوں کھیلتا ہے...... کافر لڑکوں کے ساتھ...... مارا پیٹی کرتا ہے...... بول کرے
گا...... تو ضرور فساد کرائے گا ایک دن—دنگے کرائے گا......"

ارشد چپ ہے...... ذہن میں سناٹا سا پھیل رہا ہے...... اور اس سناٹے کی
آگ کو لیے وہ نجمہ کے چہرے کو پڑھ رہے ہیں...... یہ لفظ آیا کہاں سے۔ جما
کہاں؟ نجمہ کے اندر اترا کیسے......؟ چھوٹا بچہ...... دنگا کیا جانے...... فساد کیا
جانے...... یہ باتیں...... نجمہ کے کسی تلخ تجربے کا زخم تو نہیں ہیں...... جو رستے
رستے پھٹ گیا ہے...... مواد کی طرح بہہ رہا ہے...... بول کیوں کھیلتا ہے کافروں
کے ساتھ...... تو ضرور ایک دن......"

تاجور پاشا گردن جھکائے کھڑے ہیں...... "بھیا میری مانو تو آپ
بھی...... دونوں بھائی ساتھ ہی رہیں گے بھیا۔ کچھ بھی کرلیں گے...... وہاں بہت



[illegible] اپنا ملک ہے وہ......
"اپنا ملک......"
مسلسل اُن کے ذہن پر ہتھوڑے پڑ رہے ہیں...... تو یہ ملک اب اپنا نہیں
رہا۔ یہاں غیریت پلنے لگی ہے...... آریہ ورت کے ٹکڑے کر کے مسلمانوں نے اس
ملک سے اپنا حق بھی ختم کر دیا...... اب یہ اپنا نہیں رہا...... غیروں کا ہے...... غور
سے تاجور پاشا کے بے جان سے چہرے کو دیکھتے ہیں تعلق پاشا...... آہستہ سے بس
اتنا ہی تو کہہ پاتے ہیں......
"مجھے تو یہ غیروں کا ملک ہی بھلا۔ تمہارا— خدا حافظ بھائی"
"بھیا میرے لئے دعا کرنا......"
آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرتے آنسو ہیں...... جو زلزلے کے جھٹکے سے زیادہ
اثر دار ہیں...... جسم تھر تھر کانپ رہا ہے...... گلے مل گئے ہیں بھائی سے...... پھر پتہ
نہیں کب...... یا ملاقات ہی نہ ہو...... کیا پتہ...... کب سرحد پر کانٹے دار تار پاٹ
دیے جائیں...... جاؤ بھائی...... الوداع...... ڈبڈبا آئی آنکھیں الوداعی منظر کو دیکھ
سکنے کی تاب نہ لاسکیں...... بھر بھر آنسو...... کتنا اکیلا پن ہے...... تاجور چلا گیا......
زندگی کے طویل راستے پر چلنے والا ایک بھائی ملا تھا، سو اُس نے بھی اس وطن کو غیر کا
وطن کہہ کر ٹھکرا دیا...... آگے بڑھ گیا...... اُس دن پہلی بار گھر کاٹنے کو دوڑا تھا......
سنسان...... ویران...... پاشاؤں کی کوٹھی...... محراب نما کمرے...... تعلق پاشا
کمرے کی دیواروں سے گلے مل کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے...... اُس وقت تک
شادی نہیں ہوئی تھی...... گھر کا اکیلا پن اور تنہائی جب بُری طرح ڈسنے لگی تو نجمہ اُن
کی زندگی میں ہمسفر بن کر آ گئی...... گھر میں کچھ اُجالا سا ہوا...... کافی بڑے بڑے
کمرے ہیں...... نجمہ کو گھر دیکھ کر ڈر سا لگ تھا......

ہاں نجمہ۔ یہ پاشاؤں کی کوٹھی تھی...... مگر اب یہاں ایک معمولی سا کلرک بستا ہے...... جو کچھ نہیں...... کوئی عہدہ نہ رتبہ...... ہاں ایک شاندار ماضی ضرور ہے...... اگر یہ وراثت قبول کرنا چاہو...... میرے پاس گزرے وقت کی سنہری کہانی کے علاوہ اور کچھ بھی محفوظ نہیں ہے۔ اسے سمیٹ سکو تو......"

اور نجمہ نے سب کچھ اپنے دامن میں بھرلیا۔ برابر برابر...... خوشی غم...... تب سے یہ سفر جاری ہے اور ایس ڈی او آفس میں ہیڈ کلرک بننے تک مسلسل وہ سفر میں ہیں...... لیکن ماضی سے رشتہ منقطع ہوتا ہی نہیں...... سب کچھ جیسے کل کی بات لگتی ہے...... سوچو تو سارے منظر آنکھوں کے سامنے جی اٹھتے ہیں...... تب بس اتنا ہوتا ہے...... کہ گزرے مناظر کے سارے کمھلائے پھول ایک قطرہ آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپک پڑتے ہیں...... اور بڑے بابو کی بڑبڑاہٹ آفس کے بوجھل سے ماحول میں گونجتی رہتی ہے......

"کھٹ...... کھٹ...... بڑے میاں یہ کاغذات......"

وہ موٹے شیشے والی عینک سے کاغذات بڑھانے والے آدمی کو گھورتے ہیں...... کاغذ سنبھال کر فائیل پر آنکھیں یوں ہی گھومتی رہتی ہیں...... اب تھک چکے ہیں وہ...... زندگی کا یہ سفر بھی کتنا طویل ہے...... اب تو بس یہی خواہش ہے...... بچوں کی شادی ہو جائے...... وہ گھر سنبھال لیں...... ذمہ داری اپنالیں...... وہ ہنسی خوشی موت اوڑھ لیں گے......

کھٹ کھٹ...... ان کی میز سے ڈھیرے ڈھیرے فائلیں کھسک رہی تھیں...... اور ڈھیرے ڈھیرے دھوپ بھی سمٹ رہی تھی...... گھڑی کو غور سے دیکھتے



اور بڑے میاں [illegible] کا چہرہ نظروں میں ابھرتا ہے...... اف کتنی باؤلی ہوگئی ہے اس عمر میں...... اتنا اندھا یقین تو ان کے خاندان میں کسی کا بھی نہیں تھا۔ اب آج ہی کا، لو...... کتنی قیامت مچادی ایک لمحہ میں اُس نے...... جیسے کوئی نہیں آیا زلزلہ ہی آگیا ہو...... اب وہ گھر میں ٹھیک طرح سے چھینک بھی نہیں سکتے۔ آفس آتے وقت چھینک دو تو دس اُپدیش سننے کو مل جائیں گے...... تھوڑا ٹھہر جایئے۔ آج آفس مت جایئے...... اُف ہو...... اب آج ہی، بے بات ہی تو قیامت آگئی......

بڑے میاں کو کھانسی پھر گھیرتی ہے...... کھاؤں کھاؤں کرنے کے بعد خاموش ہوتے ہیں...... آج ارادہ گھر جلدی جانے کا ہے...... پتہ نہیں کیوں۔ کبھی کبھی تو وقت سے پہلے پہنچنا اچھا لگتا ہے...... ڈھیر سارا وقت ہاتھ میں ہو تو باتیں کرنے میں بھی مزہ ملتا ہے...... بسمتیا کے ہاتھوں کی بنی ہوئی گرم گرم چائے...... طبیعت جھوم جاتی ہے...... بے چاری غریب عورت...... اتنی بڑی کوٹھی میں ایک چھوٹا سا پیچھے والا کمرہ دے کر کون سا احسان کیا ہے انہوں نے...... پورا گھر اکیلے کندھے پر سنبھالتی ہے۔ بسمتیا...... پھر بھی نجمہ کو کافر لگتی ہے...... خود ہی مسکراتے ہیں بڑے میاں...... کافر...... اتنا مانتی ہے بسمتیا کو، اُس کے بچے کو...... پھر بھی۔ کبھی موڈ میں ہوئی تو کہے گی...... کافر کا کیا ٹھکانہ۔ کسی دن کہہ دیں گے...... اٹھاؤ سامان...... جاؤ پاکستان۔

گھر کے لئے نکلتے ہوئے بڑے میاں کے کانوں میں یہ لفظ بار بار بج رہے تھے...... کبھی کبھی کچھ لفظوں کا بار بار بجنا اچھا لگتا ہے...... آفس سے تھوڑی ہی دور پر ایک چھوٹی سی پلیا ہے...... جس کے نیچے ڈوم چماروں کی بستی ہے...... جو ئیں "نکلواتی" ہوئی عورتیں، بیڑی پھونکتے ہوئے مرد۔ بیلچا، کنستر، لے کر ادھم بازی

عورتیں...... بجھی ہوئی لکڑی کی کانتی...... پلیا کے آس پاس چاروں طرف گندگی بکھری رہتی ہے...... کوڑے کا ڈھیر...... وہیں میونسپلٹی کل...... چھوٹی چھوٹی جھگی جھونپڑیاں...... فضا میں باس پھیلی رہتی ہے...... آتے جاتے ناک بند کر کے جانا پڑتا ہے......

پلیا سے گزرتے ہوئے اچانک بڑے میاں ٹھہر جاتے ہیں...... ایک طرف پلیا کے کچے بانس کا سہارا لئے ایک چھوٹا سا چودہ پندرہ سال کی عمر کا بچہ کھڑا ہے۔ رو رہا ہے۔ تیز آواز میں۔ بکھرے ہوئے بال۔ گندے میلے کپڑے — گندی چہرہ — جیسے تماشے میں گم کوئی بچہ ہو...... چاروں طرف روتا پھرتا ہو......

پتہ نہیں کیا سوچ کر ٹھہرتے ہیں بڑے میاں...... کلرکی کرتے کرتے سوال جواب کی عادت جو پڑ گئی ہے۔ اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں...... اتنا بڑا لڑکا...... کسی چھوٹے بچے کی طرح سے کیوں رو رہا ہے...... بڑے میاں کی ہمدردی پا کر لڑکا اور زوروں سے رونے لگتا اٹھتا ہے...... اب بڑے میاں کچھ قریب آتے ہیں......

"بات کیا ہے......"

"اوں اوں......"

"کس کے لڑکے ہو......"

"اوں...... اوں......"

لڑکا صرف روئے جا رہا ہے...... اور اُس کے آنسو بڑے میاں کے دل پر وزنی ہتھوڑے کی طرح پڑتے ہیں......

"بولنا نہیں جانتے......"

"آں...... آں......"



لڑکا [illegible] اشارے سے بتاتا ہے کہ وہ گونگا بھی ہے اور——

"کوئی ہے تمہارا...... دنیا میں؟" بڑے میاں ہاتھوں کے اشارہ سے پوچھتے ہیں...... لڑکا "نا" میں سر ہلاتا ہوا اور تیز آواز سے رونے لگتا ہے

"اُف...... کہاں پھنسا دیا۔ کس مصیبت میں پڑ گئے۔ اب اس بلا کا کیا کریں......"

وہ آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو لڑکا لپک کر اُن کے دامن کو پکڑ لیتا ہے

اوں...... اوں......

اُس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہیں بڑے میاں۔ لڑکے کی آنکھوں میں رحم کی ایک ایسی اپیل تھی جسے وہ نظر انداز نہ کر سکے...... قصائی کے ہاتھوں میں خنجر دیکھ کر کھونٹ تڑا کر بھاگا ہوا جانور جیسے اپنے مالک کے پاس واپس لوٹ کر اپنے لئے رحم کی مانگ کرتا ہے

"بھوکے ہو......"

"اوں......"

"کچھ کھاؤ گے......"

"اوں...... اوں......"

"بے چارہ......"

بڑے میاں میں ہمدردی جاگتی ہے...... اچھا میرے ساتھ آؤ...... سوچا تھا کھلا پلا کر لڑکے کو رخصت کر دیں گے...... کچھ پیسے تھما دیں گے۔ پتہ نہیں کس گھر کا ہے۔ اب گونگا بہرہ ہے کم بخت۔ بولنا جانتا تو پوچھ بھی لیتے کہ کہاں گھر باڑی ہے اب کس چکر میں پڑ گئے ہو...... پلیا سے تھوڑی ہی دور چلنے کے بعد نانہو ساؤ کا ڈھابہ ہے۔ آفس سے چلنے کے بعد یہاں ایک بار ضرور رکتے ہیں بڑے میاں۔

ڈھابہ پہنچ کر آواز لگاتے ہیں بڑے میاں

"نانہوساؤ۔ اس بے چارے غریب کو کھانا کھلا دو اور ہاں بڑھیا اسپیشل نیبو کی چائے میرے لئے بنانا......"

"اسے کہاں سے پکڑ لائے......" گلاس ایک قطار سے رکھتے ہوئے اور نیبو کا رس گاڑتے ہوئے نانہوساؤ نے پلٹ کر بڑے میاں کو دیکھا...... اس کا باپ بھکاری تھا۔ کل مر گیا۔ گونگا ہے بابو...... کہیں آفس میں لگوا دو تو جوانی سنور جائے......"

"ہونہہ......"

سوچتے ہیں بڑے میاں...... غور سے اُس گونگے کے چہرے کی طرف دیکھتے ہیں۔ پتہ نہیں کیوں اس بار اچھا لگا وہ...... اگر بال سلیقے سے سنوارا جائے۔ کپڑے بھی صاف پہنے تو...... کیوں نہ گھر لے چلیں...... کچھ کام ہی کر دے گا......

چائے پیتے ہوئے بڑے میاں نانہوساؤ سے پوچھتے ہیں......"اچھا بتاؤ۔ اس کے باپ کی ذات کیا تھی......؟"

"مسلمان فقیر تھا بڑے بابو...... آپ رکھ لو نا...... جس کھونٹ سے باندھو بندھ جائے گا — آخر دم تک بندھا رہے گا......"

"ہونہہ۔"

پھر ایک لمبی ہونہہ کھینچتے ہیں بڑے بابو — ادھر چائے ختم اور ادھر اُس گونگے بہرے نے جلدی جلدی کھانا ختم کیا......

"اور......؟" وہ پوچھتے ہیں......



[illegible] کی آنکھوں میں پیار بھری چمک ہے — جیسے محبت کے تمام جاگتے لفظ اُس کی آنکھوں کی چمک میں سمٹ آئے ہوں — منہ سے عجیب سی آواز نکالتا ہوا — وہ اُس کا شکریہ ادا کر رہا ہے

"نام کیا ہے —؟"

بڑے میاں پوچھتے ضرور ہیں — پھر فوراً ہی اپنی بھول کا احساس ہوتا ہے انہیں — اب اگر اس کا کچھ نام ہے بھی تو یہ کیا بتائے گا۔ نہ بول سکتا ہے نہ لکھ سکتا ہے۔

"بڑے بابو، اس کے باپ کو اکثر میں کھانا دیا کرتا تھا"

نانہوساؤ چائے کا گلاس کھنکا رہا ہے — اچھا آدمی تھا بے چارہ — کرنی نے بیکار کر دیا تھا۔ اتنا بڑا چھوڑا — کہیں لگوا دیتا تو زندگی سنور جاتی — لیکن ساتھ ساتھ رکھ کر بھیک منگواتا تھا۔ اسلم کہتا تھا بڑے بابو —"

"اسلم —" بڑے میاں تیز آواز میں بولتے ہیں۔

"اسلم — یہی تمہارا نام ہے —؟"

"آں — اں —"

گونگا خوشی کا مظاہرہ کرتا ہے —

"ٹھیک ہے —"

بڑے میاں نے اب اپنے آپ کو مطمئن کر لیا ہے — شاید نجمہ نے جو صبح کو اس کی آمد کا ہنگامہ مچایا، اُس کا مطلب یہی تھا — گھر میں ایک نئے فرد کا اضافہ — چلو، چلے گا — دنیا میں ہر آدمی اپنا رزق خود لے کر آتا ہے — وہ کیا کھلائیں گے — کھلانے والا تو اللہ ہے — وہی دے گا

وہ مطمئن ہیں۔ آواز دیتے ہیں —

پڑو رہے......

اسلم سر جھکائے اُن کے پیچھے پیچھے چل پڑتا ہے____

(5)

اُس وقت تک بڑے میاں سوچ بھی نہیں سکے تھے کہ اس گونگے بہرے کو اپنے ساتھ لئے تو جا رہے ہیں لیکن اس کی موجودگی سے گھر میں ہنگامہ بھی مچ سکتا ہے...... بی اماں نے اس نئے فتنے کو دیکھا تو خوب واویلا مچایا......

"تمہیں تو عجوبے پالنے کا شوق ہوگیا ہے۔ گھر نہیں ہوا عجائب خانہ ہوگیا۔ ایک سے ایک نمونے...... جسے دیکھو۔ ہمدردی جتائی۔ ترس کھایا۔ اٹھالائے۔ اب یہی کافر کو لے آئے۔ تین تین جنے۔ اُس پر سے میاں شرابی۔ مسلمان کے گھر میں اور شراب۔ میاں شراب کی ایک بوند بھی اگر ہاتھ پر پڑ جائے تو اللہ میاں کے یہاں ہاتھ کاٹ دیئے جاتے ہیں۔ توبہ توبہ اس بڑھاپے میں تمہاری مت ہی خراب ہوگئی ہے۔ اب نہ ذات کا پتہ نہ پات کا____ دودھ کے بول بولے ہوں گے اور لے کر چلے آئے......"

"نہیں جی۔ یہ گونگا ہے۔ گونگا بہرہ۔" بڑے میاں نے تعریف کی۔

"کیا......؟" بی اماں ایک دم سے چونک گئیں____ "لو اب گونگا بہرہ بھی ہے۔ ایک اور تعریف کی بات۔ اب بولے گا بکے گا کس سے؟ سارا دن سر کھپانا پڑے گا اس سے اور یہ کرے گا کیا؟ تم تو پورے گھر کو گونگا بہرہ بنا کر رکھو گے۔ اب ٹھکانا کیا...... کہیں یہ بھی کافر ہوا تو۔ نوج تمہاری عقل پر پتھر پڑ گیا ہے۔"

"اب تم پوری بات تو سنو گی ہی نہیں۔ پہلے ہی ہنگامہ شروع کر دو گی۔"





بڑے میاں کو بھی غصہ آگیا تھا۔ یہ بے چارا پلیا کے پاس رو رہا تھا۔ غریب مسلمان کا لڑکا ہے۔ اس کا باپ فقیر تھا۔ کل مر گیا......"

"چچ چچ" بڑی بی نے افسوس کیا۔ لیکن ان کے تیور فوراً ہی لوٹ آئے۔ "اب یہ کہو۔ کہ گھر میں فقیروں کی پوری فوج اکٹھی کرنے کی دھن سوار ہوئی ہے۔ ایک شرابی کبابی، دوسرا فقیر۔ کسی دن تمہاری جو یہ شاندار حویلی ہے نا، اسے بیچ باچ کر کھا جائیں گے یہ۔ پھر لیتے رہنا اپنے پرکھوں کا نام۔ ارے۔ ان فقیر چور اُچکوں کا ٹھکانہ ہی کیا۔ کسی دن موقع ملا اور سب کچھ لے کر چمپت ہوگئے تو...... کیا کر لو گے تم...... بتاؤ۔"

"نہیں یہ ایسا نہیں ہے......"

"نہیں ایسا نہیں ہے۔ جیسے تم اس کے پورے خاندان سے واقف ہوگئے منٹوں میں___ بڑی شناسائی جو ٹھہری۔ اب اس عجوبے کا کیا کریں گے ہم۔"

"بھئی گھر میں رکھیں گے۔ کام کرے گا۔ جھاڑو تو دے گا۔ کپڑے صاف کرے گا۔ جو کہو گی کرے گا۔"

"اب کرنے کا ہے ہی کیا اس گھر میں۔ ایک اور مصیبت لے آئے۔ کوئی اور نہیں ملا تو فقیر مل گیا۔ چل رے فقیر۔ حاتم طائی کا دروازہ تو کھلا ہوا ہی ہے۔ میری مانو تو مسلمان بادشاہ اسی ہمدردی دکھانے میں چوپٹ ہوئے۔ ورنہ آج یہ حشر نہیں ہوتا، یہاں ہم پھوٹی کوڑی کوڑی کے محتاج نہ ہوتے۔ آخر کو کل تاج تھا تخت تھا۔ جاگیریں تھیں۔ اپنی سلطنت تھی اور آج...... دیکھو تو فقیر بے آرام سے گھوم رہے ہیں۔ اللہ کے نام پر دے دے...... آہ...... واہ...... کیا کہنے...... میاں کان کھول کر سن لو...... چور اور فقیر چوری اور فقیری سے باز نہیں آتے۔ کسی دن سن لینا، گھر سے غائب ہے اور سڑک پر بیٹھا بھیک مانگ رہا ہے۔ گھر کی ساری چیزیں

ہمیں بیچ دیں تو میرا نام ہی بدل دینا......

بی اماں اپنے اس لمبے لکچر کے بعد ہانپنے لگی تھیں...... تیز تیز سانس چلنے لگی تھی۔ اپنے گیم شیم بدن کو سنبھالے چارپائی پر لیٹ گئیں۔ غور سے اُس گونگے بہرے جانور کا جائزہ لیا۔ جو غور سے گھر کی چیزوں اور بیگم کے بگڑے تیور کا دل ہی دل میں تجزیہ کر رہا تھا......

''کیوں رے کیا نام ہے......'' بیگم نے تھوڑی اپنائیت پیدا کرنے کی کوشش کی...... پھر جلد ہی معمول پر لوٹ آئیں ''اب تو نام کیا بتائے گا۔ گونگا بہرہ جو ٹھہرا......''

''اسلم نام ہے'' ...... بڑے میاں جلدی سے بولے۔

''اب تو تمہیں نام بھی پتہ چل گیا۔ اب بولو تو پورا شجرہ ہی بتا دو گے۔ آخر کیوں نہیں۔ اس شہر کی پوری تاریخ سے واقف جو ہو......''

''تم تو سر کھا جاتی ہو بیگم''۔ بڑے میاں نے ناراضگی دکھائی۔ ''ارے وہ لوٹتے وقت نانھو ساؤ کی دکان پر رکا تھا۔ اُس نے بتایا......''

بڑی بی تھوڑا نرم پڑیں ''...... ٹھیک ہے ٹھیک ہے...... چل رے...... نہا دھولے...... کیا شکل بنا رکھی ہے...... نہانے سے تو مطلب ہی نہیں ہوگا۔ نوج ان غریبوں کی فوج سے ہی تو ہمارا مذاق اڑتا ہے____ کہیں بھی جاؤ دس مسلمان فقیر نظر آ جائیں گے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے تو اتنے فقیر کسی قوم میں نہیں ہوں گے۔ کچھ کرنا دھرنا ہے نہیں۔ ہاتھ پیر چلانے سے کام نہیں...... بس اللہ کے نام پر دے...... نوج انہوں نے پوری قوم کو بدنام کرا کے چھوڑا ہے۔ پتہ نہیں اتنے فقیر کہاں سے نکل آتے ہیں۔ جسے دیکھو محنت سے جی چرائے پھرتا ہے...... چل رے کلموا...... نصیب جلا......



بڑبڑاتی بولتی بڑی بی نے اُسے غسل خانہ کا راستہ دکھاتے ہوئے پھر کوسہ دیا...... جا جا نہالے...... اب اللہ یہ کیسی آفت ہے...... کھڑا کھڑا منہ کیا دیکھ رہا ہے...... اب جا بھی...... اُف...... بولی تو سمجھتا ہی نہیں۔ کسی جنگل سے چھوٹ کر آیا ہے جیسے...... نہالے...... اب بڑی بی نے اشارے سے بتایا...... ہاں ایسے...... اب جا بھی......''

ڈر کے مارے اسلم کی شکل ایسی ہوگئی تھی کہ بڑے میاں ٹھہا کا لگا کر ہنس پڑے......

''انور کی اماں! تم تو پہلے ہی دن بے چارے کو قبرستان بھیج دو گی۔ جس نے پانی کی شکل ہی نہ دیکھی ہو، اُسے آتے ہی غسل خانے بھیج دیا۔ اب وہ نہائے گا کیا۔ نہلانا پڑے گا اُسے......''

''یعنی میں نہاؤں گی؟'' بڑی بی کا پارا چڑھ گیا تھا۔

''نہیں۔ آج میں محنت کر دیتا ہوں۔ تم جاؤ بہتیا کو چائے بنانے کو کہہ دو اور ہاں انور میاں کے پرانے کپڑے اس کو فٹ ہو جائیں گے۔ ایک جوڑی پائجامہ کرتا لے آنا......''

''نوج مصیبت ہے......'' بولتی بکتی بی اماں باورچی خانہ کی طرف چلدیں۔ بڑے میاں ایک بار پھر مسکرائے...... ٹھہر کر ایک فقرہ پھر جڑا......

''اب تم ہی نے تو صبح صبح کوے کا ذکر چھیڑا تھا۔ لو شامت آگئی نا......''

''کیا......''

اس سے پہلے کہ بڑی بی پلٹیں، بڑے میاں اسلم کو لے کر جلدی سے غسل خانے میں داخل ہوگئے۔

بڑی بی کے بولنے کی آواز کچھ سکنڈ تک آتی رہی۔ پھر خاموشی چھا گئی۔

نہانے دھونے کے بعد انور میاں کا اترن پہن کر اسلم میاں آدمی لگنے لگے تھے۔ شکل نکل آئی تھی۔ بڑی بی نے لگانے کو تیل بھی دیا تھا۔ کافی تیل بال میں چھوڑنے کے بعد میاں اسلم نے بیچ کی مانگ نکال رکھی تھی اور شکل ایسی 'چِنڈق' کی طرح ہو رہی تھی کہ راشدہ کا ہنستے ہنستے بُرا حال ہو گیا تھا...... وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولی

"ابّا۔ اسے کس میوزیم سے لائے آپ!"

"اب حد ہوتی ہے بدتمیزی کی۔ یہ کیا بد اخلاقی ہے بٹی۔ غریب آدمی ہے۔"

"اسے اتنے تیل چھوڑنے کو کس نے کہا تھا۔" بڑی بی پھر ناراض ہوئیں۔

"اب لو۔ پوری شیشی اس کے ہاتھ میں تھما دو گی تو یہی ہو گا نا۔" بڑے میاں کو بھی لطف آ رہا تھا۔

اسلم ناسمجھوں کے انداز میں سب کو باری باری سے دیکھ رہا تھا...... شام کے سات بج گئے تھے۔ بسمتیا کے کھڑ بڑ کھڑ بڑ کی آوازیں باورچی خانے سے برابر رینگ رہی تھیں...... پچھواڑے کمرے سے بچے کے چلانے کی آواز بھی گونج رہی تھی......

بڑی بی نے پھر زبان کا سوچ آن کیا۔ "اب ایسی بھی کیا مصروفیت کہ بچے کو باہر زمین میں چھوڑ کر باورچی خانے میں لگی ہے...... او بسمتیا......"

"جی اماں"

"اب اماں کیا کر رہی ہے۔ بچہ رو رہا ہے۔ اُسے چپ کرانا۔ زمین میں ایسے سلاتی ہے جیسے جانور کا بچہ ہو۔"



"اب اماں غریب کا بچہ ایسے ہی پلتا ہے۔" بسمتیا باورچی خانے سے ہی بولی۔

"تو کھڑا کھڑا منہ کیا دیکھ رہا ہے۔" بڑی بی نے پھر بسمتیا کو آواز دی۔ آٹا سنے ہاتھوں کو لے کر بولتی بکتی بسمتیا باورچی خانے سے نکل کر باہر آ گئی تھی......

"اماں! اب کیا ہوا۔ اس اُمر (عمر) میں اتنا نہیں بولا کرتے۔ طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ ہاں کیا ہے اب—؟"

"لے جا اسے۔ کام سکھا۔ بیٹھے بیٹھے روٹی تو توڑنے نہیں دوں گی۔ کچھ کام وام تو جاننا ہی چاہئے اسے......"

"اچھا اماں"۔ بسمتیا نے غور سے گونگے کے چہرے کو دیکھا...... تیل کے ٹپکنے سے پوری پیشانی تر ہو گئی تھی...... شکل ایسی بیوقوفوں جیسی لگ رہی تھی کہ بسمتیا کی بھی ہنسی نکل گئی۔ انور میاں کا تنگ بش شرٹ اور ڈھیلا ڈھالا پائجامہ۔ ساتھ ہی آل پن لگی ہوئی ہوائی چپل۔ عجب سے ہو رہے تھے اسلم میاں......

"اب بس بھی کر۔ لے جا اسے۔"

بڑی بی نے بھی آدھی ہنسی گلے میں روکتے ہوئے بسمتیا کو حکم دیا......

راشدہ تب تک پڑھنے کے لئے جا چکی تھی۔ بڑے میاں ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے تھے...... ایک کونے میں ٹی وی کا پورٹیبل سیٹ پڑا تھا۔ ڈرائنگ روم پرانی چیزوں سے بھرا پڑا تھا۔ پرانے زمانے کا صوفہ...... دیوار پر کچھ پرانی مدھوبنی پینٹنگس...... ایک طرف شیر کی کھال...... مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی تصویریں...... فریم کی گئی۔ ایک طرف ابا حضور اور امی حضور کے ساتھ دونوں بھائیوں کی کافی پرانی تاریخی تصویر...... ریک پر ٹوٹا ہوا شیشہ کا گلدستہ — کافی پرانا— ٹوٹا ہونے کے باوجود یہ ڈرائنگ روم کی زینت اس لئے بھی تھا کہ بڑے میاں اس کی نوعیت کو بھی تاریخی

ٹھہرائے تھے ـــــ کہتے ہیں یہ خاندانی تحفہ ہے۔ خود اتاترک کمال پاشا نے [illegible] اپنے ہاتھوں سے اُن کے خاندان کے کسی وارث کو تحفے میں دیا تھا...... اب ایسی چیزیں تو نوادرات میں ہیں ہی۔ اُس کی قیمت کا اندازہ کیا جو شاہ ایران اتاترک کمل پاشا سے تحفہ میں ملا ہو...... بہت سنبھال کر رکھا تھا اس نایاب تحفہ کو...... ٹوٹنے کے باوجود یہ اس ڈرائنگ روم کا سب سے قیمتی خزانہ تھا۔ روز خود ہی اس پر آئی موٹی دھول جھاڑتے بڑے میاں...... خاندانی وقار کی نشانی تھا یہ گلدستہ...... ڈرائنگ روم کے صوفہ پر چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے کسی سوچ میں ڈوبے تھے کہ اچانک دروازے پر نظر آئے ارشد پاشا ـــــ خاموش۔ کسی فکر میں ڈوبے ہوئے......

''آؤ آؤ بیٹھو'' ـــــ انہوں نے آواز دی۔

ارشد پاشا نے بھی نشست سنبھال لی۔

''بات کیا ہے؟''

کچھ نہیں''

''تمہارا ایم ایس سی کا امتحان کب ہے''

''ابھی دن ہے......''

''تیاری کیسی چل رہی ہے''

''ٹھیک ہے۔''

'' کچھ ست سے لگ رہے ہو......''

اتنا پوچھتے ہوئے دمہ نے پھر اپنا اثر دکھایا تھا۔ بڑے میاں کھانسنے لگے تھے۔ آنکھوں میں لال لال ڈورے تیر گئے...... کھانستے کھانستے بے دم سے ہو گئے۔ گونگا دوڑ کر پانی لے آیا تھا۔ پانی پیتے ہوئے تشکر آنکھوں سے انہوں نے گونگے کو دیکھا۔



گونگا [illegible] بلبلا [illegible] گیا۔ فوراً سمجھ گیا کہ مجھے پانی کی ضرورت ہے''۔ کھانسی سے کچھ آرام ملا تھا۔

گونگا خالی گلاس لے کر لوٹ گیا ـــــ

بڑے میاں نے پھر پوچھا ـــــ ''ہاں تو تمہیں تکلیف کس بات کی ہے۔ آج کل کچھ بجھے سے رہتے ہو ـــــ''

''ہاں ابا'' ـــــ ارشد پاشا نے غور سے بڑے میاں کی آنکھوں میں جھانکا ـــــ عمر کی اُس منزل میں تھے جہاں ہلکی ہلکی مونچھ اُن کے سفید خوبصورت چہرے پر خوب بچ رہی تھی۔ تھوڑی بہت داڑھی بھی نکل آئی تھی ـــــ آنکھوں پر کم عمری میں ہی فریم چڑھ گیا تھا۔

بڑے میاں ہنسے ـــــ ''کافی امکلیچو ل لگنے لگے ہو ـــــ''

''مسئلہ یہ نہیں ہے ابا'' ـــــ کافی سنجیدہ آواز تھی ارشد پاشا کی۔

''مسئلہ ـــــ'' بڑے میاں نے صوفہ پر پینترا بدلا ـــــ ''تمہیں ہوا کیا ہے۔ کیسا مسئلہ ـــــ؟

''اب کیسے بتاؤں میں ـــــ'' ارشد نے اپنے ہونٹوں کو دابا ـــــ چہرے پر شکن ابھری۔ الجھنوں کی کتنی ہی پرتیں چہرے پر بچھتی چلی گئیں ـــــ اب کیسے کہوں میں...... اتنی عمر ہو گئی میری ـــــ''

''کون کہتا ہے؟ کوئی خاص عمر نہیں ہوئی تمہاری۔ ماشاء اللہ ابھی پڑھ رہے ہو...... کچھ اماں نے کہا کیا''؟

''نہیں۔''

''پھر کیا مسئلہ ہے؟''

''میں کچھ بننا چاہتا ہوں ابا'' ـــــ ارشد پاشا کی آواز جیسے کسی تنگ کنویں

سے ابھری۔

''دھت تری کی......'' بڑے میاں قہقہہ مار کر ہنسے۔ اس میں ایسی کون سی بات ہے پریشانی کی ____ ٹھیک ہے...... اچھی بات ہے...... تمہارے اندر یہ جذبہ تو پیدا ہوا کہ کچھ بننا چاہئے۔ اس عمر میں اس سے اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے......''

''مسئلہ یہ نہیں ہے ابا'' ۔ چہرے کو جھٹکتے ہوئے ارشد پاشا نے جھنجھلایا سا جواب دیا ___ آپ سمجھے نہیں...... میں کچھ بننا چاہتا ہوں۔''

''اچھی بات ہے۔ تو میں نے کب کہا کہ تم کچھ بننا نہیں چاہتے''۔

''یہ بات نہیں ابا۔ اب میں آپ کو کیسے بتاؤں...... میں وہ بننا نہیں چاہتا جو دوسرے چاہتے ہیں...... یہ کچھ الگ سا...... کچھ مختلف......''

آنکھوں میں چمک لہرائی تھی۔

بڑے میاں نے صوفہ پر پھر پینترا بدلا......''مجھے پوری بات سمجھاؤ......''

''میں اس سلسلے میں کئی دنوں سے کافی پریشان ہوں ابا۔ یہ مسئلہ صرف میرا نہیں ہے...... کبھی کبھی پوری قوم کا مسئلہ لگتا ہے...... کبھی کبھی کچھ سمجھ میں نہیں آتا...... شاید ...... مجھے لگتا ہے...... میں جو بننا چاہتا ہوں...... وہ پوری طرح خود مجھ پر واضح نہیں ہے...... کہ میں کیا چاہتا ہوں...... کیسا بننا...... مگر دیکھئے نا...... میں ڈاکٹر...... انجینئر...... آئی ایس افسر نہیں بننا چاہتا...... یہ کتنے دنوں تک اپنے نام کو زندہ رکھ پاتے ہیں؟...... اپنے پیشہ سے انصاف کرنے کے علاوہ اور کیا کر پاتے ہیں؟ اور مرنے کے بعد...... میں چاہتا ہوں...... میرا نام...... میرے بعد بھی...... آئی مین...... شاید ابھی اچھی طرح وضاحت نہیں کر پاؤں...... مگر میں کچھ انوکھا کرکے دکھانا چاہتا ہوں......''



[illegible] نہیں سن رہے تھے۔ وہ کافی پریشان دکھ رہے تھے۔ اچانک بولتے بولتے خاموش ہوگئے......

''تمہیں آرام کی ضرورت ہے...... دماغ پر زیادہ زور ڈالنا اچھا نہیں۔''

بڑے میاں نے مشورہ دیا۔

''جاؤ جاکر سو جاؤ......''

''آپ نہیں سمجھیں گے ابا...... کوئی نہیں سمجھے گا ____''

ارشد پاشا تھکے تھکے سے اٹھ کھڑے ہوئے...... اور کمرے سے باہر نکل گئے ____

''باؤلا ہوگیا ہے یہ لڑکا...... پتہ نہیں کیا کیا سوچتا رہتا ہے...... سچ تو یہ ہے کہ یہ نئی نسل ہی عجیب سی ہورہی ہے......''

بڑے میاں نے چائے ختم کرلی تھی...... خالی کپ میز پر رکھ دیا...... پتہ نہیں آج میچ کا کیا ہوگا...... کوئی کرکٹ میچ تو تھا نہیں کہ جہاں دیکھو ہر طرف لوگ کھڑے ہیں...... اب فٹ بال کا میچ کون سنے۔ کمبخت ٹیلی کاسٹ بھی نہیں۔ اب تو اسپورٹس میں شپ ہی نہیں رہی...... پھر بھی ___ پتہ نہیں کیا ہوا۔ موہن بگان جیتا یا محمڈن اسپورٹنگ۔ فائنل میں تو یہی دونوں پہنچے......''

بڑے میاں سوچ میں پڑ گئے تھے۔ کتنا وقت بدل گیا اور کس تیزی میں بدلا وقت...... اب کرکٹ میچ ہو تو لوگ یہ دیکھتے ہیں کہ ملک کون سا کھیل رہا ہے۔ ہندستان پاکستان کے درمیان میچ ہو تو سنسنی اتنی بڑھتی ہے کہ اللہ اللہ فساد کا خدشہ لگا رہتا ہے۔ دل گھبرایا رہتا ہے...... نوج پاکستان جیتے یا ہندستان اپنا کیا جاتا ہے...... میچ دیکھو...... مگر یہ کون سنتا ہے...... اب یہی لو...... بنگال میں موہن بگان اور محمڈن اسپورٹنگ کے درمیان میچ ہو تو پرسٹیج ایشو بن جاتا ہے......

بڑے میاں کے چہرے پر اطمینان پیدا ہوا [illegible]

اچانک باہر سے انور میاں کے جوتے کی کھٹ کھٹ سنائی پڑی...... اور پھر دکھائی دیا انور میاں کا چمکتا ہوا چہرہ۔ ہاتھوں میں ہیں ـــــ پولیتھین کے کتنے ہی گندے پیکٹ ـــــ چہرے سے خوشی برس رہی تھی۔

"اب یہ کیا۔ تمہارا تو دماغ خراب ہوگیا ہے"

"نہیں ابا۔ ورلڈ ریکارڈ بنانے جارہا ہوں...... یہ پولیتھین شمیم چاچا کے یہاں سے لایا ہوں۔ جانتے ہیں یہ پولیتھین بہت قیمتی ہے...... آج اُن کے یہاں صفائی ہورہی تھی ...... پرانے پرانے بکس دھوپ کو دکھائے جارہے تھے...... ان کو میرے اس شوق کی معلومات تو تھی ہی۔ آدمی بھیج کر بلایا۔ پورے پچاس سال پرانے پولیتھن ہیں۔ لیکن دیکھئے اب تک خراب نہیں ہوئے...... وہ تو خیر ہوا کہ کپڑوں کے بکس میں پڑے تھے یہ پولیتھن۔ لیکن دیکھئے اب تک خراب نہیں ہوئے...... بکس میں فنائل کی گولی ڈالی ہوئی تھی۔ اب دیکھ لینا ابا۔ بس کچھ سالوں کی ہی بات ہے...... میرا نام گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں شامل ہوکر رہے گا......"

"اچھا اچھا" بڑے میاں ناراض ہوئے ـــــ "اب یہ گندگی رکھے گا بھی یا پورے گھر کو دکھاتا پھرے گا۔"

"ابا، آپ اسے گندگی کہتے ہیں ـــــ"

"نہیں۔ یہ تو جواہرات ہیں۔ شوکیس میں سجادو"

"جواہرات ہی ہیں ابا۔ ابھی ان کی قدر کسی کو نہیں معلوم ـــــ مگر کل......"

انور پاشا خیال کی رو میں بہہ گئے تھے ـــــ

"اچھا۔ آج میچ کا کیا ہوا۔ تو نے سنا کہ نہیں۔"



[illegible] اور پچھلے...... وہاں تو ہنگامہ ہو گیا تھا۔ اب تو یہ موہن بگان یا محمڈن اسپورٹنگ کے بیچ ہونے والے میچ بند ہونے چاہئیں۔"

"مگر ہوا کیا؟"

"ارے ہونا کیا تھا۔ محمڈن جیتنے لگی تو دیکھنے والوں میں سے کچھ نے شور مچائے۔ پھر ہنگامہ شروع ہوگیا۔ توڑ پھوڑ مچنے لگی...... پولیس کو لاٹھی چلانی پڑی...... آنسو گیس تک چھوڑنے کی نوبت آگئی......"

"اچھا"...... بڑے میاں کے ذہن پر دھماکہ ہوا...... اللہ بچائے اس ملک کو...... اب کھیل کود میں بھی زہر کے جراثیم آگئے۔ چاروں طرف آگ لگی ہے...... خدا خیر کرے...... پتہ نہیں دینا کا کیا ہوگا...... ہوگا کیا تعلق پاشا...... اندر کے کسی گوشے سے ایک سخت آواز حرکت کرتی ہے...... اپنی کمزوریوں پر پردہ کیوں ڈالتے ہوتم!...... تم نے بھی تو اُس وقت نجمہ کو نہیں روکا تھا، چھوٹے سے ارشد نے باہر کھیلتے ہوئے اپنی ہی عمر کے بٹو کو پیٹ دیا تھا...... بچے کیا جانیں مذہب کی بات...... مگر نجمہ نے تو اس معمولی سی بات کو بھی دنگے اور فساد سے جوڑ دیا تھا ـــــ اور تم بھی تو خاموشی سے سارا کھیل دیکھ رہے تھے...... اب تم مجھے بتاؤ تعلق پاشا، ایسی صورت میں فرق کے جراثیم اُس کے اندر آئیں گے یا نہیں...... اور جب آئیں گے تو...... تم اُس کی روک تھام کیسے کرسکو گے......؟

بڑے میاں ٹھنڈی سانس بھرتے ہیں...... ایک بار پھر وہی حملہ...... خدا خیر کرے...... ایک بار پھر لوٹ آئے پاکستان...... پتہ نہیں کیا ہونے والا ہے...... ضیاء کے بعد پاکستان کی حالت سدھرتی بھی ہے یا نہیں...... تعلقات کیسے ہوتے ہیں؟ اللہ کرے تعلقات سدھر جائیں...... خبر تو یہ بھی ہے کہ کراچی سے لے کر پشاور تک پورے ملک میں مارشل لا نافذ کردیا جائے گا...... اللہ کرے کچھ ایسی

صورت پیدا ہو لہ اپنے بھائی کو دوبارہ ہوا [illegible] صورت دیکھنے [illegible]
ہوگئی...... بچے بھی کتنے بڑے ہوگئے ہوں گے...... سب کو دیکھنے کو کتنا جی چاہتا ہے...... ابھی کچھ دن پہلے ہی تو تاجور نے تصویریں بھیجی تھیں...... پورے خاندان کی تصویر...... ایک تصویر اکیلی شائمہ کی تھی...... گوری چٹی شائمہ...... کتنی پیاری لگ رہی تھی...... ہاتھوں میں مہندی لگائے...... تصویر کے پیچھے لکھا تھا...... پیارے بڑے ابا کے لئے...... وہ کتنا خوش ہوئے تھے...... شائمہ تو انور کے ساتھ کی ہے...... خواہش کا کیا ہے...... اندر مچلتی ہے سو جاتی ہے...... اب تعلقات اچھے ہوتے تو وہ شائمہ کو تاجور سے مانگ لیتے...... بھائی میری بیٹی مجھے دے دو...... مگر کس منہ سے کہیں...... نصرت بھی تو کافی بڑا ہوگیا ہوگا...... پتہ نہیں کب دیکھیں گے...... اب تصویریں آتی ہیں تو عمر کا اندازہ ہوتا ہے...... بچے اتنے بڑے ہوگئے...... اتنی جلد...... پھر اپنی عمر کا بھی اندازہ ہوتا ہے......

اوہ...... ہم تو بوڑھے ہوگئے...... روز عمر کی لمبی لمبی سیڑھیاں پار کرتے ہوئے اب گمشدہ تاریخ بننے کی تیاری کررہے ہیں...... تاجور نے لکھا ہے...... بھیاؔ پورے خاندان کی تصویر بھجوائیے۔ سچ آپ لوگوں کو دیکھنے کا بڑا جی چاہتا ہے...... پتہ نہیں یہ موقع کب آئے گا......

آنکھوں میں پھر وہی تھرکتے آنسو...... اندر جذبات میں آیا ہوا انقلاب...... ٹکرے ٹکرے ٹوٹتے ہیں بڑے میاں...... آنسو کو مشکل سے پی جاتے ہیں...... باورچی خانے سے بڑی بی کے بولنے کی آواز اب پھر سے آرہی ہے۔ بسمتیا کا شوہر بھی آگیا ہے...... وہ کسی بات پر بگڑ رہا ہے...... کمبخت کوئی دن ناغہ ہو تو...... ہر روز ہی ٹھرہ پیئے گا...... اپنی جگہ سے اٹھنا چاہتے ہیں بڑے میاں۔ پھر بیٹھ جاتے ہیں...... کیا فائدہ...... ٹھنڈی سانس کھینچتے ہیں......



دوسرے دن صبح ہی صبح ایک چھوٹا سا حادثہ ہوگیا...... مگر یہ پاشا خاندان کے لیے کسی بڑے حادثے سے کم نہیں تھا۔ تغلق پاشا تو جیسے مرنے مارنے پر تل گئے تھے۔ دمہ کے بیمار آدمی— سانس پھول گئی تھی...... انور پاشا اور ارشد پاشا صرف ہنسی روکے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ راشدہ اس منظر سے بور ہوکر اپنے کمرے میں لوٹ گئی تھی......

ہوا کچھ نہیں تھا...... بس اتنا کہ اُس تاریخی گلدستہ کو بیکار سمجھ کر میاں گونگے نے صفائی کے دوران باہر کوڑے دان میں پھینک دیا تھا جہاں اب وہ کتنے ہی ٹکروں میں بٹا ہوا، قدیم تاریخ اور شہنشاہیت کے مرثیہ کا مذاق اڑا رہا تھا...... بڑی بی نے ہی اُسے ڈرائنگ روم کی صفائی کا حکم نامہ سنایا تھا۔ آٹھ بجے کی مارننگ خبروں کو سننے کے لئے جب ٹی وی آن کرنے بڑے میاں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو اچانک سن سے رہ گئے......

یہ کیا...... وہ تاریخی گلدستہ ہی غائب تھا......

سانس پھول گئی...... چہرہ کتنی ہی آڑی ترچھی لکیروں سے بھر گیا۔ غصہ میں چیخے...... یہ کس نے کیا— اُن کی زوردار آواز سنتے ہی پورا گھر جیسے ڈرائنگ روم میں جمع ہوگیا......

''اب ہوا کیا؟'' بڑی بی نے جو اس طرح میاں کو حواس باختہ دیکھا تو پوچھ پڑیں۔

''اب ہوگا کیا۔ کچھ باقی رہ گیا ہے— وہ دیکھو۔''

''ہائیں......'' بڑی بی کی آنکھیں بھی پھٹی پھٹی رہ گئیں...... اس گلدستہ کے بارے میں تو اب تک وہ میاں کی زبانی لاکھوں حکایتیں سن چکی تھیں۔ کہاں

[illegible]

"کس نے کی صفائی"

"اب میں کیا جانوں۔ میں نے تمہارے اسی نمونے کو کہا تھا—"

بڑے میاں طیش میں تھے۔ اتنے طیش میں انہیں گھر کے کسی فرد نے اس سے قبل نہیں دیکھا تھا۔ فوراً ہی بڑے میاں کی عدالت میں اُس گونگے جانور کو پیش کیا گیا۔

بڑے میاں نے پہلے اشارے سے پوچھا۔ "تم نے صفائی کی"

اُس نے اثبات میں سر ہلایا۔

غصہ میں اُسے کھینچتے ہوئے بڑے میاں اُسے ریک تک لائے...... اشارہ کیا...... یہاں کچھ تھا...... اتنا بڑا...... گلدستہ......

ہاں...... اُس نے سمجھ کر کانپتے ہوئے اشارہ کیا...... باہر کوڑے دان کی طرف۔ اور یہ دیکھ کر بڑے میاں ویسے ہی چت ہو گئے جیسے اچانک کسی عزیز کے انتقال کی خبر ملی ہو...... چہرہ ایک دم سے سرخ ہو گیا۔ جتنی طاقت تھی، پوری طاقت سے اُس گونگے کو دیوار کی طرف ڈھکیل دیا— اُس وقت کچھ ملا نہیں تو ہاتھوں پیروں سے دھنائی کر دی۔ انور اور راشدہ نے روکا......

بڑے میاں جیسے پاگل ہو گئے تھے...... گونگا اوں اوں کر کے کچھ نہ سمجھتے ہوئے رو رہا تھا۔

بڑی بی دہاڑیں...... اب مار دو گے کیا...... یہی کرنا تھا تو لائے کیوں۔"

"تم نہیں سمجھتی۔ اس نے کیا کیا ہے۔ آج اس نے میرا خاندانی وقار توڑ دیا...... اسے چھوڑوں گا نہیں...... بول کمبخت...... اپنے جیسا جانتا ہے...... کیا اوقات ہے تیری۔ تجھے چھونا تک نہیں چاہئے تھا اُسے...... ایران کے شاہی خاندان کی آخری نشانی تھی میرے پاس— تو نے اسے توڑ دیا...... ختم کر دیا......



[illegible] بھگو گئے تھے......

"گزرتے وقت کے ساتھ یہی کچھ تو باقی بچا تھا بیگم۔ سب کچھ لوٹ گیا۔ برباد ہو گیا...... خاندانی عزت اور وقار کو آزادی کے بعد ملی تنگدستی اور مفلسی نے نیلام کر دیا...... یہی چیزیں تو باقی رہ گئی تھیں جس میں گزرا کل دیکھا کرتا تھا۔ گزرے کل کی سنہری تاریخ دفن تھی جس میں...... شاہی خاندان کے ہونے کی عظمت دفن تھی اُس بے جان سے گلدستہ میں۔ اس کمینے، نااہل نے ذرا بھی پوچھا نہیں...... کسی کو دکھایا نہیں...... اور اس تاریخی یادگار کو وہ بھی کہاں پھینکا...... کوڑے کے ڈھیر پر...... میں کہتا ہوں نکل جاؤ...... نکل جاؤ میاں بھک منگے...... میں تمہاری صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔

بڑے میاں چیخے...... اتنی زور سے کہ پھر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ تیز تیز کھانسنے لگے...... آنکھیں باہر کو نکل گئیں مگر کھانسی تھی کہ رکتی ہی نہ تھی...... بے دم کئے دے رہی تھی...... کھوں کوں...... سینہ سہلا رہے تھے بڑے میاں......

"لو اور چیخو۔ اب اتنی سی بات پر......" بڑی بی نے لقمہ دیا......

"اتنی سی بات...... اب تم شاہی تحفے کی بے عزتی کو ایک معمولی بات ٹھہراتی ہو تو تمہارا عقل پر بھی ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے بیگم......"

"اب مان بھی جاؤ"

"لیکن......" بڑے میاں پھر پوری طاقت لگا کر چیخے۔ میرے سامنے سے دور ہٹاؤ اسے...... میں اس کی صورت تک دیکھنا نہیں چاہتا......"

سانسوں پر قابو پاتے ہوئے وہ کوڑے کے ڈھیر سے اُس شاہی تحفے اور تاریخی یادگار کرچیوں کو جمع کرنے لگے...... پاگلوں کی طرح...... بڑی بی حیرانی سے میاں کی حرکتوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ ایک ایک ٹکڑا وہ بڑی عقیدت سے سنبھال کر

[illegible] اب وہ [illegible]

نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں بڑے میاں...... یہ کانسے کا گلدستہ اب ملتا کہاں ہے...... وہ بھی کمال پاشا کے ہاتھوں دیا ہوا...... آج تو اس کی قیمت کا ٹھکانہ نہیں ہے...... کسی بھی میوزیم میں دے دوں تو مفت کے لاکھوں روپے آجائیں۔ ہاں لاکھوں روپے...... انور میاں منہ مت بناؤ...... معمولی حقیر شئے سمجھ رکھا ہے تم نے...... مگر میں اسے جوڑوں گا۔ اس گلدستہ کو...... پھر وہیں رکھوں گا۔ یہ اس ڈرائنگ روم کا سب سے قیمتی خزانہ ہے...... رانگا مل سکتا ہے۔ کانسے کا یہ گلدستہ رانگے سے جڑ سکتا ہے......"

"اب بچوں سی باتیں مت کرو...... جڑ سکتا ہے یہ میں بھی دیکھ رہی ہوں...... چلو ہٹو بھی۔ میں اُس کو رانگے سے جڑوا لیتی ہوں۔"

"نہیں۔" بڑے میاں پھر کڑا کے دار آواز میں گرجے...... میں اُس کی صورت تک......

"پھر خود ہی کہو گے کہ کہاں گیا۔ غصّے کا اُبال کم ہوا نہیں کہ ڈھونڈنے نکل جاؤ گے — پھر کہاں سے لاؤں گی اُسے"

بڑے میاں کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

"اب یہ تماشہ بند کرو۔ آفس بھی جانا ہے یا نہیں...... یہ صبح صبح طبیعت خراب کرنے سے سارا دن ہی موڈ خراب رہتا ہے......"

"ہاں ٹھیک ہے......" بڑے میاں مطمئن تھے۔

کچھ ہی دیر بعد بسمتیا نے آ کر بتایا...... ناشتہ بن گیا ہے۔ دسترخوان بچھاؤں۔"

"ہاں بچھا دے......"



[illegible] گلدستہ جوڑنے کے لئے بڑی بی نے بسمتیا کو کہہ دیا تھا۔ ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ لئے وہ بادشاہوں کے اس حلوے کو جوڑنے میں لگ گئی......

پہلے تو اُس نے بڑے پیار سے بڑی بی سے کہا —— "اب اماں! اسے پھینک بھی ڈالو...... یوں بھی یہ اتنا پرانا ہے کہ ——

"دھیرے بولو ——" اماں نے اشارہ کیا —— وہ غصہ میں ہیں"

"اب اس کا کیا ہوگا"

"ڈرائنگ روم میں سجے گا اور کیا ہوگا"

مسکراتے ہوئے رانگا کی مدد سے بسمتیا گلدستہ جوڑنے میں لگ گئی۔ بڑے میاں جب گل کرنے سے فارغ ہوئے اور ڈرائنگ روم میں آئے تو یہ دیکھ کر خوش ہو گئے کہ گلدستہ دوبارہ اپنی جگہ سجا ہوا ہے —— ہاں رانگے کی وجہ سے کئی جگہ جوڑ صاف نظر آرہے تھے۔ مگر اس سے کیا ہوتا ہے —— جڑ تو گیا نا۔ وہ کسی سے کہہ تو سکتے ہیں کہ ان کے پاس شاہی یادگار موجود ہے — دل و دماغ اب تک قابو میں آچکا تھا —— وہ پوری طرح معمول میں لوٹ آئے تھے —— اچانک انہیں اُس بے جان سے جانور کا خیال آیا۔ کہاں گیا —— کتنا ڈانٹ دیا اُسے —— اتنا نہیں ڈانٹنا چاہئے تھا۔ اب اُس کا بھی کیا قصور —— بیگم نے صفائی کرنے کو کہا تھا۔ اب اُسے کیا معلوم کہ اس کی قدر و قیمت کیا ہے —— وہ بھلا اس کا اندازہ کیا کرتا —— خیر جو ہو گیا سو گیا —— اب وہ یہ غلطی نہیں دہرائے گا ——

اُف...... جب وہ باہر نکلے تو دیکھا، سیڑھیوں پر پیروں میں منہ دیے اسلم بیٹھا ہے...... آنکھیں لال لال ہو رہی ہیں ——

"جا جا —— اندر جا......"

[illegible] رہے۔ پھر سامنے [illegible] اور [illegible]
کے لئے روانہ ہوگئے۔

## (6)

چاروں طرف سے سڑک کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ دائیں بائیں۔
چاروں طرف گاڑیاں برق رفتاری سے بھاگ رہی ہیں۔ ٹیمپو، بسیں، ٹم ٹم، گھوڑا گاڑی، رکشہ...... آسمان پر چمکتے سورج نے اپنی سخاوت کا خزانہ کھول دیا ہے...... اور دھوپ پھیل گئی ہے...... چاروں طرف...... لوگ بھاگ رہے ہیں...... وہ اس بھیڑ کا ایک حصہ بننا چاہتا ہے...... جہاں ہر شخص تیز رفتاری کی اس دوڑ میں شریک ہے...... آگے چوراہے پر ایک تنگ گلی بائیں طرف مڑ جاتی ہے۔ یہاں مسلمانی گوشت ملتا ہے۔ یعنی بھینس کاٹی جاتی ہے۔ ایک تیز بدبو اُس کی ناک سے ٹکراتی ہے...... وہ ایک اچٹتی سی نظر دور تک پھیلی ہوئی گندگی کے ڈھیر پر ڈالتا ہے...... کہیں اندر اندر کچھ ٹوٹے پھوٹے سے لفظ تیزی میں بجنے شروع ہوتے ہیں......

یہ مسلمان اتنے گندے کیوں رہتے ہیں؟ نہاتے کیوں نہیں ہیں یہ لوگ...... جتنی گندگی مسلمانوں کے محلے میں رہتی ہے اُتنی......

لفظ ہلچل مچا رہے ہیں...... فوراً ہی ایک دوسری آواز دستک دیتی ہے......
یہ اُس کی اپنی آواز ہے...... کمزور سی آواز...... تم نے جن کی بات کی ہے وہ مزدور پیشہ لوگ ہیں۔ لیبر کلاس اور تم اس لیبر کلاس سے...... آواز ٹوٹ رہی ہے...... برسوں حکومت کی ہے نا...... تاج تخت سے کھیلے ہیں نا...... عیاشی کی ہے...... سستی اور کاہلی آگئی ہے...... تم لوگ...... صفائی بھی نہیں رکھ سکتے......



اور [illegible] ہے...... ھلے ھلے...... اب وہ ایک دوسری ہی آواز کی زد میں ہے......

ریلی جن، دھرم، مذہب...... ایمان سے کہوں تو...... یہ سب گورکھ دھندہ ہے......ہم سب اپنی آسانی کی خاطر اس گورکھ دھندے میں پھنستے چلے گئے ہیں۔ کہاں کے مسلمان......مطلب بھی جانتے ہو مسلمان کا...... مسلّم ایمان والا...... مسلّم تو چھوڑو...... گوشت کی بوٹیاں توڑنے کے علاوہ آدھا ادھورا اسلام بھی ایمان سے اگر بچا ہو تو بولنا...... سب گورکھ دھندہ ہے۔ ترقی کی اڑان...... بہت پیچھے رہ جاؤ گے ارشد پاشا— مذہب کی اس بجھی ہوئی قندیل کا پیچھا تو تمہیں چھوڑنا ہی پڑے گا......''

اس وقت ذہن میں کتنے ہی دھماکے ہو رہے تھے۔ ارشد پاشا کو لگ رہا تھا...... وہ کچھ اور چاہتے ہیں...... لیکن کیا......؟ شاید ابھی اس' کچھ چاہنے' کو وہ کوئی نام نہیں دے پاسکتے...... لیکن وہ کچھ الگ سا چاہتے ہیں...... اور وہ بھی اُن لوگوں میں شامل ہیں جو دیکھ رہے ہیں کہ اُن کی قوم وقت کے حساب سے ترقی نہیں کر رہی ہے بلکہ پچھڑتی جارہی ہے...... اب کوئی نہیں بچا سکتا...... بد سے بدتر کی طرف...... کہیں کوئی اڑان نہیں...... سوئے ہوئے...... سب سوئے ہوئے اور منجمد...... کہیں کوئی حرکت نہیں— تحریک نہیں...... مگر وہ چاہتے ہیں کہ آن میں علاءالدین کے جادو کے چراغ کی طرح کوئی کارنامہ ہو جائے...... اور اُن کی قوم کے تمام لوگ بلندیوں پر نظر آنے لگیں...... مگر یہ کیسے ممکن ہے...... تصویر واضح نہیں ہے...... دھندلی دھندلی سی...... وہ بہت زیادہ کنفیوژن کا شکار ہیں— اُن بہت سارے دوسرے مسلمانوں کی طرح جو سوچتے تو بہت کچھ ہیں مگر کچھ کر نہیں پاتے—

ایک بار پھر وہ منہ بناتے ہیں...... مسلمانوں کا محلّہ اتنا گندہ کیوں رہتا

ہے [illegible]
ہے...... یہ پورا علاقہ مسلمانوں کا ہے...... آج مسجد میں باہر سے تبلیغی جماعت کے
لوگ آئے ہوئے ہیں۔ کل حاتم میاں تاجور پاشا کے پاس پہنچے تھے...... حاتم میاں
جن کی درزی کی دکان ہے...... ایک وقت میں تو وہ دکان حاتم میاں درزی کی دکان
کے نام سے ہی مشہور تھی لیکن وقت کے ساتھ حاتم میاں نے بھی سمجھوتا کیا۔ پرانی
دکان کا حلیہ بدلا...... دروازے، الماریاں، شیشے کے ریک...... اور دکان کا نام رکھ
دیا...... ماڈرن ٹیلرس...... پھر تو حاتم میاں کی بن آئی...... ادھر دکان کی رنگت بدلی
اور ادھر حاتم میاں کی تقدیر...... پھر تو بہت کچھ بدل گیا۔ حاتم میاں اب عمامہ اور
چوغے میں نظر آنے لگے تھے۔ چھوٹے چھوٹے بال، گندمی رنگ، درمیانہ قد، بڑھی
ہوئی داڑھی...... پانچ وقت کے نمازی...... اب وہاں اُن کے لڑکے بیٹھتے تھے اور
حاتم میاں زیادہ تر اپنے تبلیغی سفر پر نکلے رہتے تھے...... کہتے تھے...... اب تو بڑھاپا
آ گیا۔ دکان بچوں نے سنبھال لی۔ یہی تو وقت ہے اللہ رسول کرنے کا...... عاقبت
سدھر جائے...... یہی حاتم میاں پہلے تبلیغ کے کاموں کو مذہبی پکھنڈ بتایا کرتے
تھے...... مگر وقت نے ایسا رنگ بدلا کہ پورے پورے مذہبی رنگ میں رنگ گئے۔

اُس دن حاتم میاں نے جب تغلق پاشا کا دروازہ کھٹکھٹایا تبھی ارشد پاشا ڈر گئے
تھے...... خدا خیر کرے...... ابو میاں بھی گئے کام سے......

تغلق پاشا نے دالان کا دروازہ کھلوایا۔ بڑی عقیدت سے حاتم میاں کو
اندر دالان خانے میں لا کے بٹھایا۔

"فرمائیے!"

"میاں! کل سلطانی مسجد میں جلسہ ہے۔ پڑوس کے ایک آپ ہی بچے
ہیں جو نہ کبھی چلہ پر گئے نہ کبھی تبلیغ کے جلسوں میں شریک ہوئے۔ سو آپ کو دعوت



[illegible] کا کوئی انکار نہیں چلے گا۔ بچوں کو بھی بھیجئے۔ ماشاءاللہ
وقت کی ضرورت بھی ہے۔"

"میں تو نہیں جا پاؤں گا حاتم میاں"

"کیوں؟"

"آپ تو جانتے ہی ہیں آفس کا کام...... اگر اتوار ہوتا تو......"

"اب اللہ کے کام میں کیا اتوار کیا سمبار میاں۔ ایک دن چھٹی کر لینے
سے کوئی آفت تو نہیں ٹوٹ پڑنے کی...... اور وہ بھی آپ وہاں بڑے بابو ہو......
بزرگی آ گئی میاں...... اس بزرگی کا کچھ لحاظ کر کے اللہ حضور دین ایمان کی کچھ باتیں
کر لیا کرو۔ یہی کام آئیں گی...... کل کیا پتہ۔ کب آنکھیں بند ہو جائیں اور وہاں
فرشتے جو گناہ کا حساب لئے چلے آئیں تو شرمسار تو نہ ہونا پڑے گا......"

"حاتم میاں! سچ کہتے ہیں آپ...... مگر میرے ساتھ مجبوری بھی ہے......
بڑا بابو ہوں اسی لئے نہیں جا سکتا۔ آپ کہیں تو اپنے لڑکے کو......"

حاتم میاں نے پھسلانے والے انداز میں کہا...... زمانہ نازک ہے
میاں...... تبلیغ ضروری چیز بن گئی ہے...... آج نوجوانوں کے دلوں میں اللہ رسول کا
ڈر پیدا کرنا ہے...... مذہب کی بنیادی باتوں کی جانکاری دینی ہے...... ہم ایک
غیر ملک میں رہتے ہیں میاں۔ یہاں طاقت سے اور اتحاد سے رہنا ہوگا...... ورنہ یہ
ہندو بوٹی بوٹی کر ڈالیں گے ہماری...... تو طے یہ ہوا آپ نہیں آئیں گے......
اپنے لڑکے کو بھیج دیں گے......"

"ہاں حاتم میاں"

تغلق پاشا بے دلی سے بولے...... ارشد پاشا جو پاس ہی بیٹھے تھے،
صاف انکار کر گئے۔

میں نہیں جانے کا ابا۔ [illegible]

''اب بیٹا۔ میں نے وعدہ کرلیا ہے بات کی بھی عزت رکھنی پڑتی ہے۔ ایک گھنٹے کا اجلاس ہوگا۔ اب انور سے تو کہہ نہیں سکتا۔ چلے جانا بیٹا — دین کا کام ہے......''

''دین کا کام......''

ارشد پاشا کی تیوریاں چڑھ گئیں...... غصے میں بڑبڑائے...... یہ لوگ کچھ نہیں کرسکتے...... کچھ نہیں کرسکتے...... صرف باتیں...... لمبی لمبی زبان — جیسے ہندو چھری، بندوق لے کر بیٹھے ہیں — جیسے بس یہی تو کام رہ گیا ہو ان کا۔ میاں کو دیکھو اور مار ڈالو...... ابا ان لوگوں کی ذہنیت گندی ہوگئی ہے...... یہ لوگ پوری قوم کا بھٹا بیٹھا دیں گے اور آپ ایسی جگہوں پر......''

''مسجدوں میں جانا کوئی گناہ تو نہیں...... تمہیں شراب کے ٹھیکے پر تو نہیں بھیج رہا۔'' تغلق پاشا غصہ سے اُبل گئے تھے...... اور حاتم میاں نے ایسا کیا غلط کیا جو ایک دم سے غصہ میں آ گئے...... یہ فساد...... روز روز کے دنگے...... کون مارا جاتا ہے ان میں...... میرٹھ میں، احمد آباد میں، بہار شریف میں، جمشید پور میں، علی گڑھ میں، مئوناتھ میں...... کس کی حکومت ہے...... کس کی سرکار؟ کس کی پولیس...... کون مارا جاتا ہے...... یہ ہندو......؟ پولیس کو ملا کر یہ ڈبل ہو جاتے ہیں...... سرکار بھی ان کی اور پولیس بھی...... برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر۔ بھیونڈی میں مراد آباد میں...... اور تمہیں یہ خون نظر نہیں آتے...... نوجوان ہو...... جو سیکولرزم تم آج کی کتابوں میں پڑھتے ہو وہ اپنے آپ کو دلاسہ دینے کا، اس ہندو پریس نے ایک ہتھیار بنالیا ہے...... اخبار بھی ان کے...... پورے ملک میں آگ لگی ہے۔ ہر جگہ مسلمانوں کو نیست و نابود کردینے کی سازش ہورہی ہے...... اور تم کہتے ہو کہ......



ایسا سوچنے والوں کی ذہنیت گندی ہوئی ہے......؟''

تغلق پاشا ہانپ رہے تھے...... کمرے کے دو چکر دے لگائے...... کھانسی کا دورہ پڑا...... لیکن بولتے رہے۔

''وہ کہتے ہیں یہ تمہارا ملک نہیں۔ آفس میں بھی مذاق میں یہ ہندو اپنے دل کی بات کہہ جاتے ہیں۔ پاکستانی، دوغلے...... بھاگو یہاں سے...... اپنا وطن الگ لے کر بھی یہاں دال گلانے بیٹھے ہو...... شیوسینا، وشو ہندو پریشد...... اُن کے خونی نعرے...... مسجدوں پر قبضہ، مندر میں بدلنے کی چال...... سب کچھ ایسا ہے کہ تمہیں توڑ دیا جائے...... کمزور کردیا جائے...... اپنگ اور اپاہج...... ہم کو...... ہم جس نے صدیوں حکومت کی ہے۔ بادشاہت کا تاج صدہا...... صدہا برسوں تک اپنے سروں پر رکھا تھا...... ارے چھوٹا سا خطہ دے کر سمجھتے ہو کہ ہمیں ایک گھر مل گیا، ٹھکانہ مل گیا...... ایک پورے گھر کا آٹھواں حصہ اور کہتے ہو کہ خوش رہیں...... تم کو حصہ مل گیا...... جھوٹ...... فساد تو اسی لئے ہوتے ہیں کہ مسلمان ختم ہو جائیں...... وہ اتنے کمزور ہو جائیں کہ کبھی سر نہ اٹھا سکیں...... ہم تم سب کو خوف سے الگ ایک مضبوطی کا احساس چاہئے...... مضبوطی......''

تغلق پاشا کھانس رہے تھے...... زور زور سے...... سانس تیز تیز چل رہی تھی...... ارشد پاشا چپ چاپ وہاں سے نکل گئے...... مضبوطی...... یہ آخری لفظ ہتھوڑے کی طرح اُن کے اندر گونجتا رہا...... کتنی دھمک تھی سر میں...... یہ وہ تغلق پاشا نہیں تھے جو سرکاری آفس میں نوکری کرتا تھا...... جس کے اندر ملک کی وفاداری اور محبت کا جذبہ رہتا تھا...... ابا حضور......

آج ابا حضور کے تیور بدلے تھے...... شاید یہ چنگاری برسوں سے اندر دبا کر رکھی ہوگی ابا حضور نے — جو ایک دم سے انہیں لہولہان کر گئی تھی...... ہم

سب کو ایک مضبوطی چاہئے......

یہاں سے برامدے کا منظر صاف تھا...... پتھر کی چوکھٹ پر گونگا بیٹھا بسمتیا سے جوئیں نکلوا رہا تھا...... بسمتیا بڑے پیار سے اُس کے سر میں کنگھی دے رہی تھی...... ارشد پاشا کچھ دیر کے لئے ٹھہرے......

بسمتیا نے نگاہ اوپر اٹھائی—

''کیوں! ایک ہی مہینے میں خوب دوستی ہوگئی۔''

''میرا بیٹا ہے''

بسمتیا نے پیار سے اسلم کے منہ کو سینے میں بھینچ لیا۔''میرا بیٹا''......

گونگے نے بھی خوشی کا اظہار کیا......

وہاں سے لوٹتے ہوئے کچھ سوچ کر ارشد پاشا ٹھہر گئے۔ بسمتیا کی آنکھوں میں جھانکا...... جیسے پوچھ رہے ہوں—''

''تم ہندو ہو نا......''

''ہاں— کیوں......''

''نہیں...... کچھ نہیں۔''

ارشد مسکرائے...... آگے بڑھ گئے۔ پتہ نہیں کن مجبور لمحوں میں اُن کے گھر والوں نے اس ہندو عورت اور اُس کے شرابی مرد کو رہنے کے لیے اس گھر میں ٹھکانہ دیا تھا...... اُسے اپنے دوست آدتیہ کی بات یاد آئی......

تم مسلمان اتنے کنزرویٹو اور آرتھوڈاکس کیوں ہوتے ہو......

کٹر وادی...... اُگر وادی...... سب سے بڑے آتنک وادی تو تم ہو......''

اندر سے ایک کمزور آواز گونجی...... یہی باتیں ہیں جو اندر اندر، بوند بوند کر کے جمع ہوتی ہیں اور زہر بنتی رہتی ہیں پھر ایک دن ابا حضور کی طرح پھٹ جاتی



ہیں...... مسلمان سب سے بڑے آتنک وادی تو تم ہو...... اُس وقت تو وہ مسکرا دیا تھا لیکن اس وقت۔ اگر آدتیہ سے ملاقات ہو جاتی تو وہ اُس کا منہ نوچ لیتا۔

ارشد پاشا سوچتے ہیں...... سچ کیا ہے...... کیا سچ مچ سیکولرزم اور آدرش کی باتیں کتابوں کا ایک بوسیدہ صفحہ بن چکی ہیں......؟ دراصل وہ دو ناؤ پر سوار ہیں...... ایک مذہب ہے...... اور دوسری ناؤ برابری اور بھائی چارے کی ہے...... مذہب برابری اور مساوات کی بات ضرور کرتا ہے...... مگر اسی نظریے کو بنیاد بنا کر وہ اپنی بات کی نفی بھی کر دیتا ہے...... یعنی برابری اور مساوات کی بات صرف اُس کی قوم کے ساتھ...... اور بہت سارے دوسرے...... دوسری قوم...... ارشد پاشا کو لگتا ہے...... کھیل ہو یا لمبی اڑان...... ہر جگہ وہ مسلمان نام سن کر چونکا ہے...... عبدالسلام نا...... وہی پاکستانی سائنسداں...... انٹارٹیکا کی مہم پر عبدالقاسم نے رہبری کے فرض انجام دیئے نا...... کھیل میں بھی اُس کی نگاہ فقط مسلمان ناموں پر ہی کیوں جاتی ہے...... ہر جگہ اپنا مذہب— اپنے نام...... اپنے لوگ...... دفتر سے اسپورٹس اور سیاست کے ایوانوں تک— ہر جگہ ایک مسلمان نام تمہاری توجہ کا مرکز بن جاتا ہے......

وہ سچ مچ دو ناؤ پر سوار ہے......

یا جو کچھ وہ چاہتا ہے وہ واضح نہیں ہے......

اُف...... کتنی بدبو ہے...... سرانڈ...... اُس کے دوست ٹھیک کہتے ہیں۔ سب سے زیادہ گندگی مسلمانوں کے محلے میں ہی رہتی ہے......

آگے ہی موڑ پر وہ خوبصورت سی مسجد ہے...... سلطانی مسجد......

اور اس وقت مسجد کے باہر کافی لوگ کھڑے ہیں......

سورج کا گولہ تیز آگ برسا رہا تھا۔

●●

سلطانی مسجد شہر کی پرانی مسجدوں میں سے ایک تھی۔ گذشتہ دو تین سالوں سے اسی مسجد میں تبلیغی جماعت کے جلسے ہوتے رہتے تھے —— اس لئے مسجد کی قسمت بھی کھل گئی تھی۔ گنبد، محراب، دیواریں، کہتے ہیں عرب کے ایک شیخ نے اس مسجد کے لئے چندہ دیا تھا۔ اب تو یہ مسجد شہر کی سب سے خوبصورت مسجد تھی...... چم چم کرتی ہوئی...... جیسے شیشہ کی مسجد ہو...... سنگ مرمر جڑے ہوں...... مسجد کے صحن میں کافی لوگ بیٹھے تھے...... سروں پر ٹوپیاں لگائے۔ ان میں کم عمر بچے بھی تھے...... نوجوان لڑکے بھی اور کئی بہت ضعیف بوڑھے بھی۔ اب تو تقریباً ہر مہینے یہاں کوئی نہ کوئی اجلاس ہوتا ہی رہتا تھا۔ ارشد پاشا مسلمان تو تھے مگر نماز روزہ سے کیا واسطہ...... یاد نہیں تھا کہ عید بقرعید کے علاوہ کبھی جمعہ کی نماز بھی پڑھی ہو......

سلطانی مسجد میں اس وقت کافی لوگ جمع تھے۔ اجلاس شروع ہونے میں ابھی کافی وقت تھا۔ یہاں کتنے ہی چہرے تھے جنہیں وہ پہچان رہا تھا۔ یہ مولوی انیس تھے...... کسی کالج میں پروفیسر...... مگر سننے میں یہی آتا تھا کہ کلاس نہیں کرتے تھے۔ یوں بھی اردو کا پروفیسر ہونے کا مطلب ہی ہے مفت کا سرکاری پیسہ لینا۔ پروفیسر انیس کبھی کلاس لیتے بھی تھے تو صرف دین وایمان کی باتیں کرتے تھے۔ لڑکے اسی وجہ سے، ان سے کافی بگڑے رہتے تھے —— اور بھی کتنے چہرے...... مگر ارشد پاشا صرف مسجد کی خوبصورتی دیکھ رہے تھے...... اچانک ان کے ذہن میں صرف ایک سال پہلے کا ایک واقعہ گھوم گیا۔ اتفاق سے اپنے پڑوس کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے گئے تھے۔ رمضان کا زمانہ تھا۔ اسی درمیان اُس کا دوست بدر آ گیا



تھا۔ بدر کو مذہب اور مذہب سے کوئی مطلب نہیں تھا۔ وہ اسے دنیا کے سارے فساد کی جڑ مانتا تھا —— کام ضروری تھا اس لئے بدر مسجد ہی چلا آیا تا کہ نماز کے خاتمے کے فوراً بعد اُس سے ملا جا سکے...... نماز ختم ہوئی اور وہ باہر نکلا تو دیکھا بدر بڑے غور سے مسجد کو دیکھ رہا ہے۔ محلے کی مسجد بھی بہت خوبصورت بنی تھی......

''کیا ہے میاں؟''

ٹوپی سر سے اتارتے ہوئے وہ بدر سے مخاطب ہوا۔

بدر چونکا......''یہ اللہ کا گھر ہے نا......''

''ہاں کیا ہوا تمہیں''

نہیں...... بدر کا چہرہ اتر گیا تھا —— بڑا قیمتی گھر ہے۔ آج کے زمانے میں اللہ میاں کا اتنا قیمتی گھر جبکہ ان کے بندوں کے پاس رہنے کو گھر نہیں ہے...... اب بتاؤ اتنے عالیشان گھر میں مجھ غریب کا گزر کیسے ہوگا......؟''

وہ ہنس رہا تھا......

اس سے پہلے کہ وہ بدر کی باتوں کی حقیقت سمجھ سکتا، اُس کے کان میں آواز آئی ——

''آؤ میاں...... اللہ بھلا کرے تمہارا —— تمہیں ہی یاد کر رہا تھا''

اُس نے پلٹ کر دیکھا...... صاف شفاف کرتے پائجامے میں حاتم میاں چمک رہے تھے

''السلام علیکم''

''وعلیکم السلام''۔ جواب ملا۔ ''ابا پاشا تو مزے میں ہیں۔''

''اللہ کا فضل ہے......''

''بیٹھو''......

ن میں سفید چادر کے علاوہ [illegible]
حاتم میاں کے ساتھ ہی بیٹھ گیا...... بہت سے لوگ ایک دوسرے سے باتوں میں مصروف تھے۔ اڑتی اڑتی باتیں اُس کے کانوں میں پہنچ رہی تھیں...... اور ان کا مفہوم یہی تھا کہ مسلمانوں پر بُرا وقت پڑا ہے...... اگر اب بھی ہم نہیں جاگے تو ہمیں کوئی نہیں بچا سکتا۔ ہمیں، نوجوان نسل میں نماز پڑھنے کی عادت پیدا کرنی ہے۔ لوگ ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے کہ کس نے کتنے دن باہر چلہ کھینچا۔ تبلیغ سے کتنا فائدہ ہوا...... کتنے مسلمان ہوئے...... اور یہ بھی کہ تبلیغ کرنے والوں کو مشنریوں کی طرح پوری دنیا میں پھیلنے کی ضرورت ہے...... تبلیغ کی مہم کو تیز اور تیز کرنا ہے......

حاتم میاں جب 'تم تھوڑا انتظار کرو بیٹے' کہہ کر باہر چلے گئے تو وہ آس پاس سے آتی باتوں سے لطف اندوز ہونے لگا۔ پاس ہی ایک بڑے میاں بیٹھے تھے۔ بڑی سفید داڑھی...... وہ ایک نوجوان لڑکے کو عیسائی مشنریوں کے بارے میں بتا رہے تھے۔ کیسے وہ لوگ آدی واسیوں پر چھا گئے۔ اسکول کھولے۔ انگریزی تعلیم شروع کی...... ارے انگریزی تعلیم تو بہانہ تھی۔ مقصد وہی تھا عیسائیت کی تبلیغ۔ اسی طرح ہمیں بھی...... گاؤں گاؤں شہر شہر قصبہ قصبہ......

''گستاخی کی معافی چاہوں گا بڑے میاں۔'' وہ اچانک بول پڑا۔

بڑے میاں بات میں خلل دینے سے ناراض تو تھے ہی...... لیکن اُس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ سنبھل گئے۔

''ہاں کہو...... جو دل میں ہو......''

''تو آپ بھی عیسائی مشنریوں کی کی طرح تبلیغی مہم تیز کرنا چاہتے ہیں''

''ہاں میاں۔ ہم کوئی کم ہیں ان سے''



[illegible]
ناگواری سے بھرا ہوا تھا...... بتائیے کس بل بوتے پر آپ تبلیغ کریں گے......؟ وہ کوڑھی بیمار بچوں کو بلا جھجک اپنی گود میں اٹھا لیتے ہیں...... اُن کے ساتھ بیٹھتے ہیں...... بیماروں سے ملتے ہیں...... اُن کی مدد کرتے ہیں...... اُن سے گھلتے ملتے ہیں...... آپ...... صرف تبلیغ کریں گے...... کیونکہ اب صرف آپ لوگوں کو مذہب کا درس یاد رہ گیا ہے...... عمل...... عمل آپ بھول چکے ہیں......''

اُس کے اندر جیسے آگ لگ گئی تھی...... چہرہ آڑی ترچھی کتنی ہی لکیروں سے بھر چکا تھا...... 'کچھ نہیں ہو سکے گا آپ لوگوں سے...... تبلیغ کو پہلے انسانیت سے جوڑنا ہوگا...... اور جب انسانیت سے جوڑیں گے تو......'

اتنا کہہ کر وہ خود ہی ٹھہر گیا تھا...... آگے نہیں بولا...... صرف ایک بات اندر حرکت کرتی رہی...... پھر مذہب کہاں رہے گا...... انسانیت ہی مذہب بن جائے گا...... اور سارے لوگوں کا درد......

''تم پہلی بار آئے ہو شاید؟'' بڑے میاں کو یہی جواب سوجھا تھا۔

''ہاں اور آخری بار بھی......''

اس سے پہلے کہ بات طول پکڑتی...... حاتم میاں آ گئے...... اُس نے ایک لمبی سانس بھری۔ چہرے کو آڑی ترچھی لکیروں سے الگ کیا۔ تاکہ حاتم میاں اُس کے لہجے کی تلخی نہ بھانپ سکیں......

''ہاں تو میاں! تعلق پاشا نہیں آئے کوئی بات نہیں۔ ضرورت تو اب تم لوگوں کی ہے۔ نوجوان نسل کی...... مذہب کی ڈوبتی نیا کو اب تم ہی بچا سکتے ہو...... ہم بوڑھے تو قبر میں پیر پھیلائے بیٹھے ہیں۔ آج مرے کل دوسرا دن...... اور دنیا کے اس سب سے سچے مذہب کی تبلیغ ہم پر فرض کی گئی ہے......''

[illegible]

بولے...... 'ابھی ابھی تمہاری اڑتی ہوئی کچھ بات میرے کانوں میں بھی گئی ہے......

تم سے ناراض نہیں ہوں...... خوش ہوں...... کہ اپنے طور پر سوچتے ہو تم...... کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہو...... ہاں صرف اتنا کہنا چاہوں گا...... تمہارے پاس سوچنے کا صرف ایک ہی زاویہ کیوں ہے؟'

"مطلب؟"

"مطلب کہ سب بُرا ہے — جو ہے غلط ہے...... کچھ اچھا بھی تو ہوسکتا ہے...... ساری کی ساری باتیں غلط تو نہیں ہوسکتیں...... اچھائیاں نکالنی پڑتی ہیں...... قوم پر جب بُرا وقت آتا ہے تو اچھائیاں اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ایکدم سے معدوم ہو جاتی ہے...... تم نے کنویں کے مینڈھک کے بارے میں سنا ہے...... کنواں ہی اُن کے لئے سب کچھ ہے...... اُس کے آگے...... اُس کے آگے کا آسمان......" وہ ٹھہرے...... پھر گھڑی دیکھی...... اجلاس شروع ہونے میں بھی ابھی وقت ہے...... اس لئے تم سے کچھ باتیں ہوسکتی ہیں...... میں درزی ٹھہرا...... جوانی کے ایام میں شراب بھی پی ہے اور جوا بھی کھیلا۔ کتابیں کیا ہوتی ہیں پتہ بھی نہیں تھا۔ وِل پاور تو سمجھتے ہونا...... بس اِن آٹھ سالوں میں اپنے وِل پاور کی بدولت میرے اندر ایک انقلاب آ گیا۔ مولوی حسام الدین کی صحبت کیا ملی دنیا پلٹ گئی۔ میں نے مذہب کو سائنس کے نظریہ سے دیکھا اور کامیاب پایا...... پھر جینے کی جستجو جاگی اور پڑھنے کی...... بہت کچھ جاننا چاہتا تھا...... یہ دنیا کیا ہے...... کائنات کیا ہے...... زندگی کے معنی کیا ہیں...... سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا...... سچ اور جھوٹ بنے ہی کیوں...... جب ایک ہی کافی تھا...... حرص کیا ہے...... خواہشات کیا ہیں...... دنیاوی نظام...... جب ایک خاندان میں بٹتے ہیں ہم...... خواہشات میں بٹتے ہیں



ہے...... [illegible] اتنا لمبا ہے کہ رونا آ گیا ایک پل کو...... پہلے کتابیں کیوں نہیں اٹھائیں...... اس عمر میں جب سانس سانس چار دن بھی موت کے نہیں رہ گئے۔ خیر چھوڑو...... میں کہہ رہا تھا......

حاتم بھائی کا چہرہ اچانک سرخ ہو گیا تھا...... 'لوگ اگر مذہب کو غلط لے لیں۔ اُس کی تعلیمات کو...... تو مذہب تو غلط نہیں ہوا نا...... ؟ تم سے یہی کہنا ہے بیٹے...... ہم سب لوگوں کو بالآخر اُس حقیقت کی طرف سفر کرنا ہے جو اٹل ہے...... جو موت ہے...... ہاں عمل میں اب بھی ہم پیچھے ہیں...... جب صحراؤں میں گھوڑے دوڑائے جاتے تھے۔ کشتیاں جلا کر فتح کے پرچم لہرائے جا رہے تھے...... تم نے سچ کہا...... ہم نے کتنی مدر ٹریسا پیدا کی...... کتنے بابا آمٹے...... ہم صرف بولتے ہیں...... صرف بولتے ہیں...... لیکن یہ دھند باقی ہے...... دھند باقی ہے ابھی — جب تم آؤ گے...... تمہارے جیسے لوگ...... اور جب ہم اُن بستیوں میں جائیں گے جہاں تم مثال ہو گے...... فرق، نفرت، حقارت کے جراثیم کو خود سے الگ کر کے...... آج ساری دنیا میں ہمیں شکست مل رہی ہے تو اس کی واحد وجہ ہماری بے عملی ہے...... اور صرف باتیں......"

حاتم بھائی چپ ہو گئے تھے......

ارشد پاشا جیسے سناٹے میں ڈوب گئے تھے...... حاتم میاں اب بھی غور سے اُن کی طرف دیکھ رہے تھے...... ارشد پاشا کے ہونٹوں پر جیسے تالہ لگ گیا تھا۔ جس حاتم میاں کو وہ بیکار سی چیز سمجھتے آئے تھے وہ بھی زندگی کے بارے میں کوئی نظریہ رکھتا ہوگا، یہ سوچنا بھی مشکل تھا...... خواہ وہ نظریہ مذہب کو بنیاد بنا کر رکھا گیا ہو مگر زندگی کو سمجھنے کی جستجو تو اس میں بھی پوشیدہ ہے...... کیا سچ مذہب کوئی بیکاری

جاسکتا ہو...... مرنے مارنے پر آمادہ کیا جاسکتا ہو...... ساری دنیا میں آشانتی پھیلائی جاسکتی ہو...... اور جس کا سہارا لے کر......

یہ اجلاس...... یہاں آئے ہوئے لوگ...... یہ حاتم بھائی...... اگر یہ زندگی کونہیں سمجھ پانے کا ذریعہ بنے تو...... زندگی ہے کیا......؟ وہ تو کتنی ہی بار مذہب سے بددل ہوا تھا...... خود اُن کا گھر...... اُن کی اندھے یقین والی بی اماں، ابا حضور تغلق پاشا — پرانے رسم ورواج پر نئے زمانے کی مہر لگانے والے انور پاشا — اُسے تو شکستگی اور پامالی سے الگ اپنی قوم میں کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ ہاں قوم کے لوگوں کو لے کر ہزاروں بار اُس کے اندر کے زخم جاگے تھے — فلسطین کا زخم ہو...... تکلیف...... شیعہ سنی فساد...... پاکستان میں مہاجروں کا قتل عام ہو...... ہر بار اُس کے دل پر دھمک سی پڑی تھی...... جھگڑالو قوم...... لڑاکو قوم...... تاریخ ٹھیک ہی لکھتی ہے...... اسلام شمشیر کے زور پر پھیلا...... یہ قوم سدھرنے والی نہیں...... ماننے والی نہیں...... یہ زوال کے راستے پر چل نکلی ہے......'

''تم چپ ہوگئے میاں۔'' حاتم میاں کی آواز محبت میں ڈوبی تھی —

وہ ایکدم سے چونکا۔

''کس سوچ میں پڑ گئے میاں؟''

''ہمارے یہاں اسپورٹس مین شپ نہیں ہے......'' وہ جلد بازی میں بول گیا —

اُس کی آنکھیں گہری فکر میں ڈوبی تھیں......

''اسپورٹس مین شپ......؟'' حاتم بھائی ایکدم سے چونک گئے تھے......

دفعتاً اُن کے ہونٹوں پر ہنسی رینگ گئی...... یہ تم نے کیا کہا؟ اچانک اسپورٹس مین



ارشد پاشا پتہ نہیں کیا سوچ کر بولے...... یہ خیال ایک دم سے اچانک آیا...... یہاں اتنے سارے لوگ ہیں۔ ان میں نوجوان بھی ہیں...... کم عمر کے بچے بھی...... سب جیسے ایک اوڑھا ہوا مذہب...... کچھ بھی کہہ لیجئے...... یہ لوگ ایک عجیب طرح کا دباؤ لے کر یہاں آئے ہوئے محسوس ہورہے ہیں...... ان میں وہ گرمی نہیں ہے...... وہ حرکت...... کیا اسپورٹس مین شپ سے ان میں گرمی نہیں لائی جاسکتی...... کوئی تحریک نہیں پیدا کی جاسکتی...... اسپورٹس ان کے اندر کی سستی اور کاہلی کو ختم کرسکتا ہے...... انہیں حرکت میں لاسکتا ہے...... فی الحال ترقی کی ریس میں ہم اتنے پیچھے ہیں کہ ہم میں حرکت یا گرمی پیدا کرنے کے بارے میں بھی سوچنا بھی محال ہے...... اونچی اڑان یا ہر شعبہ میں مضبوطی اور ترقی کیسے لائی جائے۔ ہمارے یہاں ایک بڑا طبقہ غریب ہے...... ایک بڑا طبقہ غریبی ریکھا کے نیچے ہے...... پڑھتا لکھتا نہیں ہے...... یہی طبقہ سوچتا ہے...... ہم میں سے ہی کچھ لوگ مذہب سے الگ ہوجاتے ہیں...... کچھ سنجیدگی سے غور کرتے ہیں۔ قوم کا درد محسوس کرتے ہیں...... لیکن صرف اس بہت چھوٹے طبقے کی جدوجہد سے تو کام نہیں بننے والا...... اور جہاں تک زیادہ بڑے طبقے کی بات ہے...... آپ ایکدم سے سوئے ہوئے لوگوں کو تو جگا نہیں سکتے...... دھیرے دھیرے آہستہ آہستہ...... میرے خیال میں اگر ان میں زندگی کے احساس کو پیدا کیا جائے تو انکی آنکھیں کھول سکتے ہیں...... اسپورٹس مین شپ پیدا کرنے کی ضرورتوں پر توجہ دلائی جائے...... تو کہیں دور ایک انقلاب ضرور جھانکتا ہے...... پھر ان میں کچھ لوگ آگے آئیں گے۔ زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں جانیں گے — تعلیم کی اہمیت سمجھیں گے — اور پھر — ہار جیت دونوں کو یکساں طور پر لیں گے — پھر، کہیں آپ مذہب کی

اچھی باتیں بھی ان میں ڈالنے میں کامیاب ہو سکیں گے——

ارشد پاشا کی آنکھیں خلاء میں گم تھیں۔ گول گول دائرے میں بٹی ہوئی...... بھنویں سکڑی ہوئیں......

حاتم میاں نے فاتحانہ نظروں سے ارشد پاشا کو دیکھا......"مجھے خوشی ہے نوجوان، تم سوچتے ہو...... آج اجلاس کے بعد تمہیں کچھ دوسرے لوگوں سے بھی ملاؤں گا۔ تاکہ بتاسکوں کہ اس جماعت کا کام صرف اور صرف تبلیغ نہیں ہے...... بلکہ اس کے پیچھے گہرا مقصد بھی چھپا ہے......"

گھڑی کی سوئی گیارہ بجا رہی تھی...... صحن میں کافی لوگ بیٹھ گئے تھے...... چاروں طرف ٹوپیاں دکھ رہی تھیں...... اجلاس ایک گھنٹہ تک چلا ہوگا۔ ارشد پاشا خاموشی سے سب کی باتیں سنتے رہے...... باتیں زیادہ تر اسلام اور مسلمانوں سے متعلق تھیں...... اور وہی باتیں جو بار بار کسی نہ کسی بہانے سنائی یا دہرائی جاتی رہی ہیں۔ ان باتوں سے ارشد پاشا کو کوئی زیادہ مطلب نہیں تھا...... اِن میں اُس خطرے کی جانب بھی اشارہ کیا گیا تھا کہ "شاہی" مسجد کی فتح کے لئے ہم سب کو مل کر کوشش کرنی ہے...... مسجد اللہ کا گھر ہے اور اللہ کے گھر میں مورتی بٹھانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی...... اس لئے بہت جلد ہی ایک میٹنگ طے پائے گی اور اُس میں یہ اعلان ہوگا کہ ہمیں کب اُس شاہی مسجد میں چلنا ہے اور وہاں نماز ادا کرنی ہے......

ارشد پاشا کو خطرے کی بُو آرہی تھی...... اس کے بعد اجلاس ختم ہوگیا۔ اجلاس کے خاتمے کے فوراً بعد ایک چھوٹا سا واقعہ ہوا۔ سڑک پر ایک غریب بوڑھے آدمی کو ایک سائیکل سوار سے ٹکر لگ گئی تھی...... زیادہ خون تو بہا نہیں لیکن وہ بیہوش ہوگیا تھا—— کچھ مسلمان اُسے اٹھائے ہوئے مسجد کے صحن میں لے آئے تھے......



بوڑھے کو [illegible] ہو رہا تھا۔ اسے پانی پلایا جارہا تھا...... ایک شخص دوڑ کر پیش امام صاحب کے پاس سے ڈیٹول کی شیشی لے آیا...... اب اُس بوڑھے آدمی کے چوٹ کی جگہ پر ڈیٹول لگایا جارہا تھا......

یہ کوئی خاص واقعہ نہیں تھا مگر یہ واقعہ اس لئے اہم تھا کہ بوڑھے کے چلے جانے کے بعد حاتم میاں نے فاتحانہ نظروں سے ارشد پاشا کو دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں...... دیکھا ہمارے یہاں صرف تقریر ہی نہیں چلتی...... خدمتِ خلق کا جذبہ بھی ہے ہم لوگوں کے پاس...... ورنہ بوڑھے کو یہاں اٹھا کر لانے کی کیا ضرورت تھی......

اور ارشد پاشا گھر کی طرف بڑھتے ہوئے سوچ رہے تھے...... کہ اگر وہاں مذہب کی آنکھیں اُس بوڑھے میں ایک مسلمان کو نہیں دیکھ رہی ہوتیں، تو کیا وہ لوگ اُسے مسجد میں لاکر اس طرح مرہم پٹی کر سکتے تھے......؟

## (7)

بدر بھی ایم اے کا طالب علم تھا۔ ارشد پاشا کی طرح وہ بھی علم کیمیا میں ہی ایم اے کررہا تھا۔ ایک طرف دونوں کے سبجیکٹ جہاں ایک تھے وہیں خیالات میں زمین آسمان کا فرق—— اور دیکھا جائے تو وقت کے حساب سے یہ فرق اب رفتہ رفتہ کم ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ بدر نے تو کب کا مذہب کو ماننا چھوڑ دیا تھا۔ اُس کے والد اونچے عہدے پر تھے لیکن پنج گانہ نمازی۔ انہوں نے بدر کو سمجھاتے سمجھاتے توبہ کرلی تھی کہ اب تم خود ہی ہوشمند ہو۔ اپنا اچھا بُرا مجھ سے بہتر اب تم ہی سوچ سکتے ہو۔ بدر کے مزاج میں عجب طرح کا چڑچڑاپن بھی تھا۔ جیسے وہ

سارے زمانے سے جلا بیٹھا تھا۔ اس دن وہ ارشد پاشا کے یہاں [illegible]
آدھمکا — اُس وقت بی اماں کی تیز تیز آواز سے پوری فضا محفوظ ہو رہی تھی۔

''اب اس بسمتیا کی بچی کو کیسے سمجھاؤں کہ جمعہ کا روز ہے۔ زوال کا وقت — اور چلی ہیں بی جھاڑو دینے — نوج...... مسلمان کے گھر آ گئی — کمبخت کی ماری کچھ سیکھا بھی نہیں اور وہ دیکھو گونگا۔ صبح ہی صبح بلی کے بچے پر پتھر پھینک رہا تھا۔ اب بلی دودھ پی جاتی ہے تو پی جائے بھلا جمعہ کے روز پتھر مارنے سے اس کے گھر کے مقدر پھوٹیں گے کہ نہیں۔ کوئی خیال ہی نہیں جمعہ کا۔''

''اماں ٹھیک کہتی ہو''۔

بدر جو دروازے پر کھڑے کھڑے کافی دیر سے بی اماں کی باتیں سن رہے تھے۔ مسکرائے۔ بولے — 'ٹھیک کہتی ہو اماں۔ جمعہ کے روز بلی کو پتھر مارنے یا زوال کے وقت جھاڑو لگانے سے سچ مچ یہ اللہ میاں ناراض ہو جائیں گے۔

'ماننے ہونا بیٹے...... اب یہ تو پوچھنا بھول ہی گئی کہ تم کب آئے اور کب سے یہاں کھڑے ہو...... 'اُف میں بھی کیسی سٹھیا سی گئی ہوں۔ خیر ہاں۔ آج میاں جمعہ ہے اور تم نے پتلون شرٹ چڑھا رکھی ہے۔ میاں کچھ تو خیال کرو۔ ایک تو وہ بندہ گیا گزرا ہے۔ تم بھی ویسے ہی۔ بیٹے جوانی کی عبادت ہی تو قبول ہوتی ہے — اللہ میاں خوش ہوتے ہیں۔''

''اللہ میاں کی خوشی کا اسٹاک ختم ہو گیا اماں۔ اب دیکھو نا وہ صرف تماشہ دیکھتے ہیں اور آگ لگتی رہتی ہے۔''

''خیر سے بیٹا۔ یہ کیا''

''اب دیکھو نا اماں۔ وہ مولوی کرامت تھے نا، اپنے محلے والے......''

''ہاں ہاں کیا ہوا ان کو''۔



[illegible]
بلوایا۔

بیٹا یہ کیا زبان ہوئی تمہاری۔ مولوی کرامت گزر گئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَ اِنّا اِلَیْہِ راجعون! اماں کا غصہ سرد ہو گیا...... ''مگر بیٹا تمہاری باتوں سے کوئی اچھے آثار نہیں لگ رہے...... تم بھی لگتا ہے ارشد ہی ہوئے جا رہے ہو۔''

بدر کی آواز سن کر اندر دالان سے ارشد پاشا نکل کر چلے آئے۔ تعلق پاشا دفتر جا چکے تھے اور انور پاشا بھی کالج نکل چکے تھے۔

ارشد پاشا مسکرائے۔ ''اماں سے باتیں چل رہی تھیں۔''

''اب دیکھو نا یار — یہ اماں دادی اماں وغیرہ ہر بات میں اللہ میاں کو آسمان سے لے آتی ہیں — اللہ میاں کو کتنی مشکل ہوتی ہوگی —

''توبہ توبہ اے توبہ توبہ۔''

بی اماں نے خفگی سے اور بلند آواز سے کہا۔ غصیلی نظروں سے دیکھا۔

''آؤ آؤ اندر آؤ۔'' ارشد پاشا نے ہنستے ہوئے کہا۔ تم تو لڑائی ہی لگا دو گے۔

''سالے کہاں تھا اتنے دن —'' کمرے میں پہنچتے ہی ایک مکا دیا بدر نے۔

''کچھ الجھا ہوا تھا۔''

''الجھا ہوا تھا؟ — مطلب ''

''یار تجھے کیسے بتاؤں —۔ دراصل میں کچھ بننا چاہتا ہوں ''

''تو اوپر سے چھلانگ لگا دے نا۔ کل اخبار میں تمہاری بہادری کا ڈنکا بجوا دوں گا''۔

''مذاق نہیں یار۔ دراصل پوری قوم کے بارے میں ...... یہ قوم جو علم پڑھائی سے دور ہوتی جا رہی ہے ......''

''تیری غلطی یہی ہے کہ تو صرف اپنے قوم کی بات سوچتا ہے اور میں کہوں تو یہ زبردست حماقت ہے...... دراصل ہم ہندوستانی ہی تعلیم سے کٹ گئے ہیں۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں، کس عہد میں آگئے ہیں ہم — پڑھ لکھ کر بھی ایک اندھیرے غار میں قید — اور اس غار میں مذہب کی حکومت ہے۔ مذہب کے ٹھیکیدار ہیں — اور یہ مذہبی ٹھیکیدار ایک طرف جہاں اپنے کارناموں سے ہمیں تقسیم کر رہے ہیں، وہیں ہمیں فرقہ پرست بھی بنا رہے ہیں۔ میں نے اپنے اُن دوستوں کو قریب سے دیکھا ہے جو مسجد جاتے ہوئے بھی پناہ مانگتے تھے۔ مگر آج اُن کے لباس بدل گئے ہیں۔ داڑھیاں بڑھ گئی ہیں۔ سر پر ٹوپی آگئی ہے — اور ان کی آنکھوں میں نفرت کے اُس سیلاب کو دیکھا ہے جو اس ملک کو بہا کر لے جا سکتا ہے — ترشول اور بھگوا جھنڈوں سے ان ٹوپیوں تک — ملک کہاں جا رہا ہے۔ بتا سکتے ہو — ہم نئی صدی میں نہیں جا رہے بلکہ ہم نے خود کو پندرہویں صدی کی گپھاؤں میں بند کر لیا ہے —'

وہ ایک لمحے کو ٹھہرا — فضا ساکت تھی — باہر ہوا خاموش — کمرے میں گھٹن کا ماحول تھا — اور بدر کے الفاظ کی چنگاریاں روشن تھیں —

وہ اس لفظ پر ٹھہرا...... جیسے اس ایک لفظ میں کوئی خاص بات ہو۔ غور سے ارشد کو دیکھا۔

''وقت کے ساتھ ہمارے اندر کی ہندوستانیت کیوں سوتی جا رہی ہے؟ کہیں وہ ولولہ وہ جوش وہ گرمی کہیں نظر نہیں آتی۔ آزادی سے پہلے اگر آج کی طرح ملک کے بارے میں اس طرح کا ٹھنڈا رویہ ہوتا، تو ملک کبھی آزاد نہیں ہوتا۔ دیش



ابھی ایک ....... قربانیوں کے باوجود ہمارے اندر کا وہ سیکی آدمی ویسا ہی بے حرکت رہتا — اس جمود کو توڑنا ہوگا۔ آج اُس جمہوریت کے بارے میں بھی غور کرنا ہے کہ اُسے کہاں کرش کیا جا رہا ہے — کیا یہ جمود ٹوٹنے کا نہیں۔ کم از کم نعروں سے نہیں —

بدر ہنسا —

'اس لئے پہلے اس سوئے ہوئے آدمی کو جگاؤ — اُس میں جذبات، احساسات کے انجکشن لگاؤ کہ وہ درد، دکھ اور تکلیف کو محسوس کرے — اُسے بے حس نہیں چھوڑا جا سکتا — قطعی نہیں —'

اس لمبی چوڑی تقریر سے ارشد سچ مچ بور ہو گیا تھا۔ اُس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر ایک لمبی جماہی لی

''بیٹے تیرا عشق کیسا چل رہا ہے —؟''

''عشق — بدر نے منہ بنایا جیسے کڑوی کسیلی گولیاں نگل لی ہوں — ان چیزوں پر میرا یقین نہیں ہے۔ یوں بھی میں رومانیزم پر یقین ہی نہیں رکھتا۔ شگفتا کو ایک مرد چاہئے تھا۔ میری اپنی کچھ ضرورتیں تھیں۔ جو پوری ہوتی رہیں۔''

''ارشد پاشا نے دھیرے سے کہا — ہم خود ایک بات کہتے ہیں جو باوزن ہوتی ہے پھر فوراً ہی اپنی بات کی نفی کر دیتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟''

بدر چونک گیا تھا۔ ''کیا مطلب؟''

''نہیں کچھ نہیں۔''

''تم نے میرے بارے میں کچھ کہا۔''

''یہ اپنے بارے میں بھی تھا۔ ہماری سوچ جب کئی زاویوں میں کھو کر اپنی سمت بھول جاتی ہے تو یہ سوچنا پڑتا ہے — خیر میں کہہ تھا میں کچھ بنا چاہتا

ہوں...... اور ہم میں سے ہر آدمی کچھ نہ کچھ بننا چاہتا ہے — اس بننے سے مطلب ہے کچھ ایسا کرنا جو عام انسانوں کی بھلائی کے لئے ہو اور ہاں بیشک جس کا سہرا پوری قوم کے سر بند ھے۔ مگر کیا چاہتا ہوں یہی واضح نہیں ہو پاتا اور یہی میری مشکل ہے......

''ہم سب من وسلویٰ کے انتظار میں بیٹھے ہیں اور آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہیں۔'' بدر ہنسا — لیکن یہ اُس کی عادت تھی جب بھی کسی سنجیدہ بات پر آتا فوراً اپنے چہرے پر بلا کی سنجیدگی اوڑھ لیتا —

''تم نے یہ لفظ سنا ہے۔ پیریسترئیکا اور گلاسنوست...... بیشک سنا ہوگا۔ روس میں اِن دو لفظوں نے جس خوبصورت انقلاب کی داغ بیل ڈالی ہے...... اُس میں ہر قسم کی آزادی شامل ہے — جسمانی بھی — روحانی بھی — اور آزادی تو آزادی ہے میرے دوست — آزادی ایک خوشگوار احساس ہے — اور مجھے لگتا ہے ملک کی موجودہ فضا میں اس آزادی کا قتل ہو رہا ہے —

ابھی یہ باتیں چل رہی تھیں کہ اسلم ٹرے میں چائے لے آیا...... معصوم تیمی صورت بنائے گونگے نے چائے رکھی اور واپس دبے قدموں لوٹ گیا۔

''یہ کوئی نیا دھماکہ ہے —'' بدر نے پوچھا۔

''ہاں ایک بھکاری کا لڑکا تھا۔ سڑک پر رو رہا تھا۔ ابا پاشا رحم کھا کر لے آئے۔''

''اس سے پہلے اُس شرابی عورت کو...... وہ ہے کہ نہیں اور اُس کا مرد ویسے ہی شراب پی کر آتا ہے۔''

''ہاں!''

''یہ لڑکا مسلمان ہے؟''



''کیا ایسا نہیں ہے کہ ایک مسلمان نوکر آجانے کی وجہ سے تم اُس بیچاری کو نکال باہر کرو کہ یہ تو سارا کام کر ہی لے گا۔''

'نہیں یار کیسی باتیں کر رہا ہے تو —'

''یہ ناپ تول کی باتیں ہیں بیٹے۔ رشتے ناطے اصول بھی اسی ترازو پر تولے جاتے ہیں۔ کوئی مشکل نہیں اگر تمہارے یہاں اس گونگے میاں کے آنے کے بعد اُسے نکالنے کے بارے میں سوچا جا رہا ہو......''

''نہیں یار کیا جھوٹ موٹ کی بحث لے کر بیٹھ گیا۔''

بدر قہقہہ مار کر ہنسا۔ 'بیٹے! بڑے لوگ جو کہا کرتے ہیں وہ آنے والے سمے کے لئے بھوشیہ وانی ہوتی ہے...... ایک دن اُس کا ہندو ہونا انھشاپ بن جائے۔ آج چاہے بی اماں کی دلاری کیوں نہ ہو......''

''یار بند بھی کر'' ...... ارشد جھنجھلا گیا تھا۔ تمہاری یہی باتیں سنتا ہوں تو سوچتا ہوں تم سے ملنا بند کر دوں۔ یہ کیا طریقہ ہے تمہارا''

بدر نے پھر قہقہہ لگایا — ایسے جیسے چڑھا رہا ہو......' تو آپ ملنا بند کر دیں گے۔ چلیے — ہم ہی ملا کریں گے۔ ہاں یہ تو بھول ہی گیا۔ کس مقصد کے تحت آیا تھا۔ آج کل جو تمہارے مذہب نے شہر میں نفرت کا ماحول پیدا کر دیا ہے اس سلسلے میں احمد صاحب وکیل کے یہاں ایک چھوٹی سی میٹنگ ہے۔ شام چار بجے۔''

''میں نہیں جاؤں گا یار۔ وہاں سب کے سب ٹوپیوں والے لوگ ہوں گے۔

''یار احمد صاحب وکیل پھر بھی نئے زمانے کے ہیں۔ دوسری ان کی لڑکی صوفیہ نہ صرف اسمارٹ ہے بلکہ نئے زمانے کی بھی ہے — اور اس میٹنگ میں احمد

صاحب نے صرف ہم جیسے نوجوانوں کو ہی [illegible] وہ ایسی [illegible]
دھوتی سے زیادہ سیکولر مانتے ہیں۔ تھوڑی تفریح بھی ہو جائے۔"

چائے ختم کرتے ہوئے ارشد پاشا نے آہستہ سے بس اتنا کہا— 'تیرے اندر بھی کہیں نہ کہیں ایک چھپا ہوا مذہب رہ گیا ہے— ورنہ احمد صاحب کی میٹنگ سے بھلا تجھے کیا سروکار ہوتا—'

## (8)

احمد صاحب کے یہاں اس وقت بھی دس بارہ لوگ بیٹھے تھے— سب نوجوان ہی تھے۔ باہر کھلا ہوا برآمدہ تھا جہاں اکثر وہ اپنے موکلوں سے ملا کرتے تھے۔ احمد صاحب نے ابھی حال ہی میں یہ مکان بنایا ہے۔ پریکٹس اچھی چلتی ہے اور پیسوں کی ریل پیل ہے۔ لے دے کر صرف ایک ہی لڑکی ہے صوفیہ— جو کالج میں پڑھتی ہے۔ کوئی فکر نہیں ہے احمد صاحب کو اور جب کوئی فکر نہیں ہوتو آدمی دوسری مشغولیت اور مصروفیت میں خود کو بانٹنا چاہتا ہے— اس لیے احمد صاحب نے سیاست کی طرف رجوع کرنا شروع کیا— شہر میں کوئی بھی اس طرح کا فنکشن ہو جہاں کوئی بڑے نیتا یا ایم پی آرہے ہوتے تو احمد صاحب کی شرکت وہاں ضروری ہو جاتی۔ سوشل کاموں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ لیکن ادھر انہیں اچانک مسلمانوں کا نیتا بننے کا شوق چرایا۔ یہی جگہ بچ گئی تھی جہاں انہیں اپنا کمال دکھانا تھا۔ اور اس جگہ کو پر کرنا کتنا آسان تھا۔ احمد صاحب نوجوانوں کو لے کر چلنا چاہتے تھے۔ ان کے مطابق ان کے پاس مشن ہیں پروگرام ہیں— اگر نوجوان چاہیں تو آج مسلمانوں کی تعلیم کا معیار بلند کیا جاسکتا ہے—



تھی— ایک طرف سنجیدگی کی مورت بنے احمد صاحب بیٹھے تھے۔ چھوٹی سی داڑھی۔ آنکھیں روشن— چھوٹی پیشانی۔ سر کے بال کافی حد تک اڑے ہوئے تھے۔ اس بیچ ان کا خادم چائے لے کر آگیا— سب چائے پینے میں لگ گئے۔ چائے ختم کرنے کے بعد سنجیدگی سے بابری مسجد کے سوال پر غوروفکر شروع ہوئی۔

شفاف سفید چادر پر سب ایسے غمگین صورت بنائے بیٹھے تھے جیسے کسی ماتمی جلسے میں شرکت کر رہے ہوں۔

ارشد پاشا نے بدر کے کان میں آہستہ سے کہا۔ "یہ لوگ ماتمی چہرہ کیوں بنائے ہوئے ہیں۔"

"تاکہ زیادہ سے زیادہ اس معاملے میں اپنی سنجیدگی کو ظاہر کرسکیں— بدر کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکان پھیلی ہوئی تھی۔

"اور تم مجھے یہی دکھانے لائے ہو۔"

"کبھی کبھی ان محفلوں میں بھی شامل ہونا چاہئے۔ کیا مضائقہ ہے۔ اس سے اونٹ کے قد اور چال کا بھی تو پتہ چلتا ہے۔"

وہ اتنے دھیمے سُر میں ہنسا کہ آس پاس کے لوگ اس کے طنز کو سن نہ سکیں— وہ پھر آہستہ سے پھسپھسایا۔

"بڑے میاں جوش میں آنے والے ہیں۔ آؤ ہم دونوں بھی یتیم بن جائیں۔"

اتنا کہہ کر وہ بیچ مچ سنجیدہ ہو گیا— اور بیٹھے ہوئے تمام لوگوں میں سب سے سنجیدہ نظر آنے لگا—

احمد صاحب میانے قد کے آدمی تھے...... چھوٹی سی خشخشی داڑھی پر ہاتھ

پھیرتے ہوئے وہ نوجوانوں سے مخاطب ہوئے۔

''نوجوانو! آج کا دن اس لئے بھی اہم ہے کہ ہم ایک سنجیدہ فیصلے کے لئے یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔ گو ابھی ہم مٹھی بھر ہیں مگر امن کے خواہاں اگر مٹھی بھر لوگ بھی ہیں تو وہ ہزاروں دہشت پسندوں کو —— وہ دن دور نہیں جب ایک سیدھی سچی راہ پر لا سکتے ہیں۔''

احمد صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس بھری —— پھر انہوں نے ایک نوجوان کو مخاطب کیا...... فیروز! تم قلم کاغذ نکال لو۔ آخر تم ملکی آواز میں نائب مدیر ہو —— اس خبر کو خوب سرخیوں میں چھاپنا —— پھر انہوں نے کسی سرفراز کو مخاطب کیا...... اور بھائی! پتہ نہیں تمہاری مجھ سے کیا دشمنی ہے —— آج تک تم نے میری کسی خبر کو بھی اہمیت نہیں دی۔ تمہارے اخبار الہلال کو جب بھی کوئی رپورٹ بھیجی وہ شائع نہیں ہوئی......

''یہ خبر ضرور شائع ہوگی۔''

احمد صاحب نے پھر کہنا شروع کیا...... 'آزادی کے بعد ملک میں جو چیز سب سے زیادہ بڑھی ہے وہ ہے، فرقہ وارانہ فساد۔ آج وہی سیاستداں کامیاب ہوتا ہے جو فرقہ واریت کی بنیاد پر سیاست کا مہرہ چلتا ہے۔'

''بھائی خوب کہا ——'' ایک صاحب چہکے۔

''آپ نے حکومت کی نبض پکڑ لی جناب۔''

''گوشت اور مچھلی کا بھاؤ لگ رہا ہے۔'' بدر دھیرے سے پھسپھسایا۔

پاشا کو اپنی ہنسی روکنی مشکل ہوگئی۔

احمد صاحب کی تقریر میں اب جوش آگیا تھا۔ پتلا دبلا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ مٹھیاں کس گئی تھیں......



میں انسان ہوش کھو بیٹھتا ہے۔ بابری مسجد کے معاملے پر ان ملا ملاؤں کی باتوں میں آکر پورے ملک میں آگ لگا دینے والی سیاست کا میں خیرمقدم نہیں کروں گا۔ ہم حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ جلد از جلد کوئی صحیح راستہ نکالے۔ ہم حکومت کو جلد ہی ینگ مسلم فورم کی طرف سے میمورنڈم بھی بھیجنے والے ہیں۔''

''بوڑھے اب تک اپنے آپ کو ینگ سمجھتے ہیں کیا؟'' بدر نے ہنستے ہوئے پوچھا ——

''یار بس بھی کر ——'' ارشد پاشا کو احساس ہو رہا تھا جیسے اب ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو جائے گا۔''

''......اگر ہو سکا تو ہم پیس مارچ کی بھی تیاری بھی کریں گے۔''

''یعنی قوم کا لیڈر بننے کی پوری تیاری مکمل ہے۔'' بدر سے رہا نہیں گیا۔ ارشد پاشا اس بار خاموش رہا۔ ہاں وہ اندر ہی اندر وہ سلگ رہا تھا۔ یہ وہ کہاں آگیا تھا۔ بدر نے یہ کہاں لاکر پھنسا دیا —— خیر ایسی جگہوں پر آنے سے آنکھیں ہی کھلتی ہیں —— یہی ہیں قائد...... ایک پوری قوم انہی کے پیچھے بھاگتی ہے۔ قوم کے مسائل کو لے کر یہی بیمار بنتے ہیں۔ یہی جو مسلمانوں کا غم کھاتے ہیں اور ملک ہندوستان سے جنہیں سچ مچ بہت زیادہ محبت ہے —— اور شاید ان سے زیادہ وفاداری کا جذبہ کہیں ہے بھی نہیں۔

تقریر اب کافی بلند ہوگئی تھی...... تقریر کے بیچ بیچ میں وہ پریس والوں سے پوچھتے۔ یہ لکھ لیا آپ نے...... خوب...... آپ اس پوائنٹ کو ضرور اچھالیے...... آپ کو جو بھی پوچھنا ہے آپ سوال کیجئے۔ آپ میں سے کسی کو کوئی سوال کرنا ہو تو...... بھائی خوب...... یہ خوب ان کا تکیہ کلام تھا۔ بھائی خوب سوال کیا آپ

ہے ...... اس جگہ تو اسپتال یا بچوں کا پارک بنا دیا [illegible]
ہوں۔ اللہ کے گھر میں مورتی بٹھا دی گئی۔ یہی غلط ہوا۔ کل اگر مندر تھا اور اسے توڑ
کر مسجد بنائی گئی تو یہ بھی غلط۔ اب نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ بس اس پوائنٹ کو
بھی نوٹ کرلو پیارے ...... اس کی جگہ اسپتال یا بچوں کا پارک ...... خوب ...... یا یوں
لکھو کہ احمد صاحب وکیل نے تمام مسلمانوں کی طرف سے اس مسئلہ کا ایک
خوبصورت حل نکالا ہے ...... چہ خوب ......

ابھی وہ خوب خوب کرہی رہے تھے کہ دروازے سے ایک ہنسی کی آواز
ابھری ...... ''ابا ...... جلسہ ابھی چل رہا ہے یا ......''

ارشد پاشا جیسے اپنی جگہ جم گئے۔ دروازے پر ایک نازک اندام
خوبصورت لڑکی کھڑی تھی۔

''مہمانوں کو ناشتہ کراؤ بیٹی ......'' احمد صاحب مسکرائے ...... ''یہ میری لڑکی
ہے صوفیہ'' — ''آداب''

صوفیہ نے ملائمیت سے ہاتھ اٹھایا — اُس کی نگاہوں میں کہیں بغاوت
کی ایک آگ بھی روشن تھی۔ جیسے وہ ان چیزوں کو غیرضروری مانتی ہے — ہاں
ارشد پاشا کے جسم میں اس وقت تیز سنسنی سی دوڑ گئی جب اسے احساس ہوا کہ صوفیہ
کی نظریں تیز تیز چلتی ہوئی اس کے وجود پر ٹھہر گئی ہیں ...... پھر کچھ ہی دیر بعد وہ
اندر چلی گئی۔

قریب ایک گھنٹہ بعد یہ میٹنگ ختم ہوئی — احمد صاحب وکیل نے
''ٹی'' ، چنا جور، حلوہ سوہن، سموسے وغیرہ کا بھی خوبصورت انتظام کیا تھا۔ ایک بار
پھر کافی چلی اور آہستہ آہستہ سب لوگ اٹھ کر چل دیے — پتہ نہیں بدر کیوں بیٹھا
رہا۔ ارشد پاشا نے اٹھنے کی کوشش کی تو بدر نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔



''بس خاموش۔ ابھی دیکھنا''

احمد صاحب نے بدر کی طرف دیکھ کر کہا ......
''آؤ بیٹے۔ تم سے باتیں بھی کرنی تھی اور — اس نوجوان کا
تعارف —؟''

''ارشد پاشا'' — وہ آہستہ سے بولے۔
''واہ خوب۔ کرتے کیا ہو —؟''
''ام، اس سی کررہا ہوں۔''
''وہ تو ٹھیک ہے لیکن کرتے کیا ہو۔''
''جی'' ارشد پاشا گڑبڑا گئے ...... ''ابھی ایم ایس سی کررہا ہوں۔''
''میں یہ نہیں پوچھ رہا تھا — میں تو کچھ کرنے کے بارے میں پوچھ رہا
تھا۔'' احمد صاحب مسکرائے — آؤ ڈرائنگ روم میں — وہیں باتیں کریں گے۔''

ڈرائنگ روم کافی سجا ہوا تھا۔ خوبصورت مخملی قالین — نئے طرز کے
صوفے — صوفیہ بھی آکر ایک طرف سمٹ گئی تھی — تھوڑی دیر تک ماحول میں
خاموشی طاری رہی پھر اس خاموشی کو احمد صاحب نے ہی توڑا۔

''ہاں تو میں کچھ کرنے کے بارے میں پوچھ رہا تھا — اب دیکھو تا —
مسلمانوں کے یہاں غربت کیوں رہتی ہے — ایک آدمی کمانے والا اور بیٹا پڑھ رہا
ہے تو پڑھ رہا ہے — تو میاں ارشد پاشا تمہارے یہاں کمانے والے کتنے ہیں ......
معاف کرنا یہ ذاتی سا سوال ہے اور اس گستاخی کے لئے ایک بار پھر معاف کرنا۔
لیکن یہ پوچھنا ضروری ہے۔''

''صرف ایک — ابا پاپا''

کیا کرتے ہیں وہ

"جی..... ڈی او آفس میں کلرک ہیں۔"

"ٹھیک — ماشاء اللہ تم کسی معاملے میں کم نہیں ہو — پھر کیا تم کچھ کما نہیں سکتے —؟ آج امریکہ، روس، جرمنی کہیں بھی دیکھ لو — تمہاری عمر کے لوگ پڑھائی کے ساتھ کمانے کا ہنر بھی جانتے ہیں اور ہمارے یہاں مسلم سماج میں زیادہ تر لوگ ایسے ملیں گے جو صرف اور صرف پڑھائی کرتے چلے جا رہے ہیں — اور بے چارہ بوڑھا باپ اپنے کندھے زخمی کرتا جا رہا ہے۔"

ارشد پاشا کا سر جھک گیا تھا۔ یہ تلخ حقیقت تھی۔ وہ شخص جو اس جلسہ میں مسخرے جیسا نظر آ رہا تھا، اس کی اس حقیقت نے ارشد پاشا کو پانی پانی کر دیا تھا۔

"میں آپ کی اس بات سے متفق ہوں ابا۔" بہت دیر بعد صوفیہ نے ہونٹ کھولے..... اس کی آواز میں موسیقی کے سات سروں کا جادو موجود تھا — 'نوجوانوں کو پڑھائی کے ساتھ اپنی دلچسپی اور شوق کے حساب سے کمانے پر بھی دھیان دینا چاہئے — آج مسلمانوں کی بدحالی کا ایک بڑا سبب ان کی غربت بھی ہے — دس، دس پندرہ افراد پر مشتمل خاندان کو ایک آدمی اکیلا ڈھوتا ہے — اور اس کے بچے بچیاں محض تعلیم حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔ کیا ہم اپنے کھیل اور خالی وقت کا ایک بڑا حصہ ایسے کاموں پر نہیں نکال سکتے جو ہماری آمدنی کا سبب بن سکیں..... لڑکیوں کو بھی اس میدان میں آنا چاہئے..... مردوں کے شانہ بشانہ چلتے ہوئے....."

ارشد نے تعریفی نظروں سے صوفیہ کی طرف دیکھا۔

بدر نے برا سا منہ بنا کر کہا..... محترمہ! لیکن ابھی آپ کا مذہب اس حد



"مذہب!" — صوفیہ اس لفظ پر ٹھہری..... مذہب میں بہت وسعت ہے — ہاں اس کے ماننے والوں نے بہت محدود معنوں میں لے لیا ہے — اور مجھے ان سے اختلاف ہے۔ ہاں یہ میرا اپنا عقیدہ ہے کہ میں وقت کے ساتھ شریعت میں بھی تھوڑی بہت تبدیلی چاہتی ہوں اور آج مسلم قوم کو وقت کے پیمانے پر کھرا اترنے کے لئے اس کی ضرورت بھی ہے۔"

"یہ تبدیلی آپ چاہتی ہیں۔ لیکن آپ ہی کے مذہب کے ماننے والے آپ کو کافر قرار دے دیں گے۔ اس لئے وہ کوئی تبدیلی نہیں چاہتے۔"

صوفیہ آہستہ سے بولی..... "بہرحال تبدیلی ضروری ہے..... جیسے چھوٹی سی بات ہے۔ ہمارے یہاں بقرعید ہوتی ہے۔ ایک ایک قربانی کے جانور پر سات سات سو، ایک ایک ہزار روپے یا اس سے زیادہ خرچ کر دئے جاتے ہیں۔ پھر کھایا گرسب ہضم..... اور خوش ہو لئے کہ اپنا فرض پورا ہو گیا — اب ذرا قوم کی صورت حال پر ایک نظر ڈالیے اور سوچئے کہ جانور کی قربانی کی جگہ اگر سب لوگ وہ پیسہ ایک بیت المال قائم کر کے وہاں جمع کریں تو قوم میں مفلسی اور غربت کا نام تک نہ رہے — لیکن یہی نہیں ہوتا اور نہیں ہو سکتا۔

"بیٹی ایسا نہیں ہو سکتا۔" احمد صاحب سنجیدہ آواز میں بولے — یہ ممکن نہیں — اس لئے کہ قرآن میں بھی قربانی کے جانور کا ہی ذکر آیا ہے۔" وہ ذرا لمحہ کو ٹھہرے..... پھر معمول پر لوٹ آئے.....

"ہاں تو نوجوان..... بات کہاں سے کہاں نکل جاتی ہے..... ہاں تو — یہ ہمارے لئے بڑی شرم کی بات ہے کہ....."

آگے بات بدر نے پوری کی..... گھر میں ایک کماتا ہے باقی کھاتے

ہیں۔ بزرگوار آپ یہ بات میرے بارے میں نہیں کہہ سکتے میں [illegible]
ہوں۔"

"ٹیوشن'— 'احمد صاحب نے ایسے منہ بنایا جیسے یہ کام انہیں کچھ زیادہ پسند نہیں آیا ہو— اور وہ کسی اور جواب کے منتظر ہوں—

انہوں نے پھر پلٹ کر پوچھا "تم کیا کر سکتے ہو ارشد پاشا—؟"

"جی......" وہ بہت سوچ کر بولا...... لکھ سکتا ہوں میں...... مضمون، کہانی......"

"آج ان کی ضرورت نہیں— اور سچ پوچھو تو آج ان کے لئے ایک ہی لفظ ہے۔ مجھے معاف کرنا— مگر یہی لفظ صحیح ہے...... بوگس...... یہ کچھ نہیں دیں گے— اور وہ بھی اردو صحافت...... یہ اردو صحافت مفت کا مال خریدنے کی عادی ہوگئی ہے...... بے شرم...... اور ہمارے لکھنے والے ان سے زیادہ بے شرم کہ اپنی تخلیقات مفت چھپوانے کے لیے......" ان کا لہجہ کڑوا تھا...... اب کیا ہے کہ...... اس سے کہ ہمارے یہاں صحافت کا معیار نہیں رہا— کوئی آنا نہیں چاہتا اور میں تم کو آنے کا مشورہ بھی نہیں دوں گا— جہاں دو پیسوں کی آمدنی نہ ہو وہاں کام کرنے سے فائدہ بھی کیا— اردو میں وہی چیزیں بکتی ہیں جہاں سنسنی ہو — Yellow جرنلزم— 'بیمار ذہنیت والے اسے خرید لیتے ہیں...... بوگس...... انہوں نے ایک بار پھر اس لفظ کو دہرایا۔

"اس لئے لکھنے کا خیال چھوڑ دو۔"

بدر نے پھر لقمہ دیا "عزت مآب محترمہ! آپ اس بات پر کوئی تنقید کرنا چاہیں گی۔"

صوفیہ نے آنکھیں اٹھائیں۔ کچھ دیر تک سوچا پھر گویا ہوئی— "لکھنا



[illegible] ہے۔ [illegible] زیادہ [illegible]
کیا ہے۔ میں آج لکھنے کو کل سے زیادہ ضروری محسوس کرتی ہوں اور شدت سے۔ آج صحیح طور پر سوئی ہوئی قوم کو جگانے کی ضرورت ہے۔"

میں ان تمام تر چیزوں کو نہیں مانتا...... سوئی قوم...... جاگی قوم...... لیٹی ہوئی قوم...... بدر نے پھر لقمہ دیا...... یہ سب نقلی رومانیت کے احساس سے زیادہ نہیں ہیں!"

"آپ اس رومانیت کے قائل نہیں ہیں؟" صوفیہ ہنسی— جبکہ مجھے احساس ہے کہ آپ کو زندگی کے ہر پہلو میں رومانیت نظر آتی ہوگی......"

اس کے چہرے پر رونق پھر سے لوٹ آئی تھی...... اب وہ بڑے پیار سے ارشد پاشا کو دیکھ رہی تھی۔

"میں سائنس کی اسٹوڈینٹس ہوں— اور میرا خواب ہے ڈاکٹر بننا— ویسے آپ کا سبجیکٹ کیا ہے۔"

"علم کیمیا—"

احمد صاحب نے ٹھنڈی سانس بھری...... روس میں ایک وقت تھا جب معمولی سے معمولی کسان عورتیں بھی علم کیمیا کی پوری واقفیت رکھتی تھیں اور اس بات پر خاص نظر بھی کہ علم کیمیا میں اور کیا نئے تجربے ہو رہے ہیں لیکن ہماری نسل...... آج سائنس کو گھر گھر پھیلانے کی ضرورت ہے...... سائنس کی نئی نئی معلومات— جیسے عیسائی مشنری کے لوگ اپنے مذہب کے لیے کرتے ہیں۔ اس قوم کے معیار کو بلند کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے...... اس لئے ہمیں خود پبلشر بننا ہوگا۔ اس کے لئے پیسے جٹانے ہوں گے۔ پرنٹنگ مشین بٹھانی ہوگی۔ سائنس کی نئی نئی معلومات حاصل کرنی ہوگی— اور زندگی کے ہر شعبوں میں دخل رکھنا ہوگا—

[illegible] بہت بڑے انقلاب کا تصور کرتے رہے۔

ارشد پاشا اس درمیان تر خاموش رہے۔ شاید یہ صوفیہ کا اثر تھا۔ مگر اس دوران زیادہ نظریں بچا کر صوفیہ کی طرف دیکھتے رہے — باتیں کافی دیر تک چلیں۔ پھر چلنے کا وقت آیا۔

احمد صاحب نے دونوں نوجوانوں کو آگے بڑھنے کو کہا۔ قوم کا نام روشن کرنے کے لئے...... بدر صرف مسکراتا رہا۔

صوفیہ کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ اس نے پھر ملنے کا وعدہ کیا تھا۔

واپسی میں بدر نے پھر ارشد پاشا سے کہا...... ویسے تم کو ماننا ہوگا میں تمہیں کبھی کسی غلط جگہ پر نہیں لے گیا۔ مانتے ہونا...... آج کی محفل سے بھلے کچھ نہ حاصل ہوا ہو مگر صوفیہ......"

وہ ہنس رہا تھا۔ "ہے نہ حسین لڑکی اور بلا کی ذہین — مجھے معلوم ہے میرے گلفام۔ اب تمہاری خیر نہیں...... قوم کے درد کی جگہ اب عشق نے لے لی ہے......"

وہ زور زور سے ہنس رہا تھا۔

اور ارشد پاشا سچ مچ صوفیہ کے خیالوں میں گم ہوگیا۔ وہ واقعی اچھی لڑکی تھی۔

## (9)

اس درمیان واقعات کے رتھ کافی تیزی سے چلے۔ صوفیہ اور ارشد پاشا



[illegible]

جیسا کہ ہر چھوٹے شہر کا اپنا مزاج ہوتا ہے اور خاص کر یہ مرض مسلمانوں کے گھر میں زیادہ دیکھنے میں آتا ہے کہ کہاں کون کیا کر رہا ہے، بس اسی پر نظریں جمی ہوتی ہیں...... اس لئے صوفیہ اور ارشد کی کہانی بھی گھر گھر میں گونجنے لگی۔ کہانی بننے میں دیر ہی کہاں لگتی ہے...... لیکن جہاں ان دونوں کے ملنے میں کوئی عیب نہیں تھا، وہیں صوفیہ کی آزاد خیالی سے مسلمانوں کے نئے مسیحا مولوی احمد کو ضرور ایک خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ اس لئے کہ اب اس طرح باتیں بھی سننے میں آنے لگی تھیں کہ مولوی احمد پہلے اپنے گھر میں تبلیغ کریں۔ لڑکی کو اتنی آزادی دے رکھی ہے کہ غیر مردوں کے ساتھ گھومتی ہے۔

کہنے والے کہتے ہی تھے — کہ بھائی پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ پھر مسلمانوں کی بات کرو — دوسروں کے گریبان دیکھنے چلے ہیں۔

ممکن نہیں تھا کہ یہ باتیں مولوی احمد کے کانوں میں نہ گئی ہوں۔ وکیل صاحب اس چھوٹی سی کانفرنس کے بعد فوراً ہی ہائی لائٹ میں آگئے تھے۔ ملکی آواز اور الہلال نے بھی سرخیوں میں ان کی خبر کو شائع کیا تھا۔ پرانی دنیا، مسائل اور اخبار وطن، جسے ہفتہ واروں نے بھی — جن کی پورے ملک میں دھوم تھی — مولوی احمد کی تقریر کو نمایاں طور پر جلی حروف میں پہلے صفحہ پر ہی جگہ دی گئی تھی — بڑے بڑے انٹرویو۔ تصویریں — یہ وہ اخبارات تھے جو مسلمانوں کے مسائل ہی چھاپتے تھے۔ وہ بھی نمک مرچ اور کہیں تو پورے مصالحے لگا کر اور ان کے مالک مسلمانوں کی نبض پر انگلی رکھ کر بین الاقوامی شہرت کے مالک بن گئے تھے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ پیٹرو ڈالر کے کرشمے نے اخبار کے وطن کے مالک کو کاروالا بھی بنا دیا تھا۔ اب تو سارے چھوٹے چھوٹے مدیر کاروالے تھے — اور ہندستان میں جہاں بھی اسلام کو

خطرے میں محسوس کرتے ہوئے کوئی جلسہ یا کارروائی ہوتی ان کی شرکت وہاں لازمی ہو جاتی۔ یہ وہاں دھواں دھار تقریر کرتے۔ آنسو ان کی آنکھوں میں ہر وقت موجود ہوتے۔ اچھے لیڈر کی تمام خصوصیات ان میں موجود ہوتی — اور پھر قوم کا کیا ہے...... وہ تو شعلے اُگلتی تقریر کا مطلب جانتی ہے...... مکہ معظمہ جل رہا ہے — آج ہندوستان کے مسلمانوں کو قتل عام جیسی اشتعال انگیز سرخیوں کی ضرورت ہے۔ شہید بھٹو اور شہید ضیاء کے کارناموں پر ہی ان کے اخباروں کی بکری منحصر کرتی ہے — اور انہیں پڑھنے والے ہر جگہ مل جاتے — مسلم ہوٹلوں میں...... مسلم محلوں میں...... چائے پیتے ہوئے...... گفتگو کرتے ہوئے...... باتوں میں حصہ لیتے ہوئے — اخبار پڑھا ہے...... نظریں سرخیوں پر گھوم رہی ہیں...... کشمیر سلگ رہا ہے...... کب تک مسلمانوں کے خون سے سیاہ تاریخ لکھی جاتی رہے گی۔ کمزور ہاتھ کانپ رہے ہیں...... بجھی بجھی آنکھیں غصہ میں سلگ رہی ہیں...... ہر طرف قتل وغارت...... تم نے وہ خبر پڑھی میاں...... نہیں میاں...... سارے اخبار بک گئے۔ ایک کاپی بچی نہیں...... وہ مولوی احمد والی خبر...... کیا تقریر کی ہے...... مسلمانوں کو تو ایسا ہی لیڈر چاہئے اور بھی کتنے مسلم رہنما ہیں...... مولوی فرقان، سید وہاب الدین، نعمان سیٹھ، مولوی قاسم حسین، امام پشاوری...... سب کتنی محبت رکھتے ہیں قوم سے۔ کتنا درد ہے...... ہر پل قوم کے دور میں سوکھتے جا رہے ہیں...... پوری دنیا میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ پوری دنیا میں مسلمانوں کا گھر جلایا جا رہا ہے...... اور اخبار دنادن بک رہے ہیں...... سید وہاب الدین، امام پشاوری کے تذکرے ہر مسلم محلے، ہوٹلوں اور گھر گھر چل رہے ہیں...... اور اب مولوی احمد کے بھی...... وہ ان خبروں کو کاٹ کر فائیل میں لگاتے ہیں۔

اب باہر ایک آفس بنا رکھا ہے۔ چھوٹا سا کمرہ۔ ایک خوبصورت سی میز گلی



گاؤ تکیے کے سب سے مہنگے صوفے — ایک طرف اخبارات کی فائل ہے۔ ہندی، اردو اور انگریزی — ایک نوجوان صفدر کو سکریٹری کے طور پر بحال کیا گیا ہے۔ جو بی اے گریجویٹ ہے مگر بیکار۔ شروع میں ہی شعر و شاعری کا شوق ہو گیا۔ سو دو سو کے قریب غزلیں اردو رسائل سے لوٹ آئیں تو ادب سے جی بھر گیا۔ ادب کو کوڑا کرکٹ اور غزل کو بیکاری شئے کہہ کر جناب نوکری کی تلاش میں لگ گئے۔ گھر پر بوڑھا باپ، پنشن یافتہ — دو نوجوان بہنیں — ایک بوڑھی ماں — گزارے کی صورت کیا ہوتی — شاعر دوستوں کی واہ واہی سے حاصل ہی کیا ہوتا۔ یوں بھی صفدر دیکھ رہا تھا...... پہلے سے زیادہ بیکاری آگئی ہے اب...... اور ہر گھر میں ایسے بیکار اور ذہنی طور پر قلاش نوجوان لڑکے اپنے لئے ایک مناسب اور آسان راستہ چن لیتے ہیں...... شعر و شاعری، افسانے...... ان کی تخلیقات چھپتی ہیں۔ چند ایک لوگ ان کے نام بھی جاننے لگتے ہیں اور انہیں اس سے زیادہ کی غرض بھی نہیں ہوتی — نہ یہ کہ وہ ادب کو کیا دے رہے ہیں...... وہ اپنی حسابی کارروائی میں خوش رہتے — ہاں حساب کارروائی......

صفدر غزل کہنے کو حسابی کارروائی کہتا تھا۔ مغز ماری — جوڑ گھٹاؤ — شاید یہ اس کے ایک شاعر کے طور پر ناکامی کی کارروائی تھی یا حقیقت...... مگر اتنا ضرور تھا کہ وہ آج بھی اس نشے، کا مارا نظر آتا — اور کبھی کبھی خوب ہنستا کہ واہیات...... غصہ کرنے کے باوجود اس شاعری سے پیچھا نہیں چھوٹا۔ واہیات...... مگر مولوی احمد سے وابستہ ہونے کے بعد اسے جیسے ایک نئی منزل مل گئی تھی...... وہ قوم کو ایک ایسا 'ٹانک' مولوی احمد کے ساتھ مل کر پلانا چاہتا تھا جس سے اس قوم میں ایک نئی جان آجائے — وہ سربلند ہو سکیں...... محنت اور عقیدت سے وہ اپنے کام میں لگا رہتا —

ٹ دس بجے وہ دفتر کا کمرہ کھول دیتا...... [illegible]
ہوتی۔۔۔ بوڑھا نوکر، جو مولوی احمد نے ادھر ہی رکھا تھا، وہ باغبانی کے فرائض انجام دے رہا ہوتا...... یہ اس کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ صفدر کو دیکھ کر وہ بھاگا ہوا آتا اور وہ اتنا عجلت پسند واقع ہوا تھا کہ ہر بار تیز آنے کی صورت میں اسے کمرے کے دروازے سے دھکا ضرور لگتا۔۔۔ اور صفدر کو کہنا پڑتا...... 'بوڑھے میاں! اتنی جلد بازی کا ہے کی...... آپ تھوڑا دیکھ کر چلا کیجیے۔

''اچھا صاحب۔''

بوڑھا سلمان اپنی چھوٹی سی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیرتا اور مسکراہٹ سے پھر ایک بار کہتا...... بہت اچھا صاحب...... پھر اپنے دل میں کہتا...... اتنے آہستہ سر میں جیسے خود سے باتیں کر رہا ہو مگر اس کی آواز صفدر کے کان میں داخل ہو جاتی ۔۔۔ مگر کیا کروں...... آپ لوگ قوم کے لیے یہ کام کر رہے ہیں۔ اللہ بھلا کرے ۔۔۔ بھلا کرے...... اتنا کہتا ہوا وہ شیشے کی چمچاتی میز پر پوچھا لگاتا۔ اخبار نکال کر سامنے رکھتا اور گلاس میں پانی بھر کر پلاسٹک کے گول ٹکڑے سے ڈھک دیتا۔ پھر اچھا صاحب کوئی ضرورت ہو تو...... میں یہاں باغیچے میں ہوں ۔۔۔ کہہ کر ادب سے جھکتا۔ ایک بار پھر دروازے سے ٹکراتا اور خود کو کوستا ہوا باہر نکل جاتا۔۔۔

ادھر سلمان باہر نکلتا اور ادھر صفدر کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ۔۔۔ وہ گھڑی پر نظر ڈالتا۔۔۔ اور پھر کھلے ہوئے دروازے سے زینہ اترتی صوفیہ پر نظر جاتی جو بُرا سا منہ بناتی ہوئی دفتر کی طرف دیکھتی اور ناک بھوں چڑھا کر آگے بڑھ جاتی۔۔۔

ہے...... پتہ نہیں کیا بات ہے...... صفدر کے دل کی دھک دھک کافی دیر تک چلتی رہتی۔ پھر وہ اخبارات کی اُلٹ پلٹ شروع کر دیتا۔ مسلم مسائل سے



[illegible]
مولوی احمد کے تعلق سے جو خبر ہوتی، اُس کی الگ فائیل بناتا۔۔۔ پھر ایسی خبروں کو نشان لگانے کے بعد کاٹنے کے لئے کال بیل پر انگلی رکھتا۔۔۔ بوڑھا سلمان ایک بار پھر اس کی خدمت میں حاضر ہوتا......

''بس آ گیا صاحب......''

''چائے ملے گی......؟''

''کیوں نہیں صاحب''

''سلمان میاں۔ یہ قوم کا کام ہے...... اللہ آپ کو بھی اس کا اجر دے گا۔''

صفدر مسکراتا...... یہ اخبارات لیجیے اور قینچی سے اچھی طرح کاٹ لیجیے۔''

''جیسا حکم صاحب''

سلمان ہر کام کے لئے فوراً تیار رہتا۔ وہ اندر باہر دونوں کا کام کیا کرتا تھا۔ صفدر کو مولوی احمد نے آٹھ سو مہینے کی تنخواہ پر ملازم رکھا تھا۔ یہ تنخواہ بھی اس وقت صفدر کے لئے کافی بڑی رقم تھی۔ ایک تو مکان کا کرایہ نہیں دینا پڑتا تھا۔ پرانا خاندانی مکان ٹھہرا...... بے مرمت...... مگر مکان تو تھا۔ تھکے ہارے گھر لوٹنے کے بعد ایک سائبان تو تھا جہاں وہ کچھ دیر آرام کر سکتا تھا۔ اماں جی باورچی خانے میں مشغول رہتیں اور وہاں سے کھانے کی بھینی بھینی خوشبو یہاں تک آتی رہتی۔ دو بہنیں تھیں نکہت اور نشاط۔۔۔ صفدر علی ان دونوں کے لئے بھی اپنی ذمہ داری محسوس کرتا۔ ابا کو پینشن صرف سات سو روپے ہی ملتی تھی اور بیچارے تھے بھی کیا۔ مڈل اسکول میں معمولی ٹیچر...... بڑھاپے نے جھکا دیا تھا۔ ''اخبار وطن'' اور ''پرانی دنیا'' کے زبردست مداح تھے۔ ایک اخبار کو اس وقت تک چاٹتے رہتے جب تک کہ دوسرا شمارہ نہیں آ جاتا۔ بار بار پڑھتے...... صفدر کو کبھی کبھی چڑھ سی ہوتی...... ابا بھی کمال

ے ہیں اور کوئی رسالہ نہیں ہے۔ جب دیکھو [illegible]
ہیں...... ہونہہ...... وہ دل ہی دل میں بڑبڑاتا...... اسی لئے مسلمان ترقی نہیں
کرتے...... یہ قوم ختم ہوتی جارہی ہے...... لعنت ہے۔

●●

اس درمیان واقعات کے رتھ تیزی سے چلے...... جیسے صفدر کو ارشد پاشا
پسند نہیں آئے۔ شاید اس وجہ سے کہ وہ صوفیہ سے زیادہ قریب تھے — اور صفدر علی
یہ قربت خود بھی چاہتے تھے جو ان کے نصیب میں نہیں تھی۔ اس لئے کئی بار وہ بہت
ایمانداری سے اور معصومیت سے دفتر سے چھٹی کے وقت جب دوستوں میں گھرے
ہوتے تو اپنے کام کی ذمہ داری اور احمد صاحب وکیل کی مسلمان دوستی کا تذکرہ
کرتے ہوئے صوفیہ کے تذکرے پر ایک سرد آہ ضرور بھرتے...... ''آہ...... گھر کو
آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے...... اب بتاؤ تم ہی...... جب لوگ صوفیہ کے
بارے میں کچھ کہتے ہیں تو شرم سے سر جھک جاتا ہے۔ اب ایسی بھی کیا بے
پردگی — آدمی اونچ نیچ بھول جائے...... کالج میں کو ایجوکیشن کا مطلب یہ تو نہیں
ہے کہ انسان اپنی تہذیب چھوڑ دے...... اسلام نے عورت مرد کے رشتے کو بہت
نازک بنایا ہے مگر...... احمد صاحب بیچارے کو کون سمجھائے......''

یہ الگ بات تھی کہ اس کے دوستوں کو صوفیہ سے کوئی مطلب نہیں ہوتا —
صوفیہ ارشد پاشا سے ملتی ہے، اس کی تفصیل خود ہمارے صفدر میاں ہی دیا کرتے
تھے...... مگر وہ اپنی کارگزاری پر خوش تھے کہ بڑی اور اہم ذمہ داری نبھارہے
ہیں — مولوی احمد کے ساتھ ساتھ ان کا نام بھی اب اخباروں میں آنے لگا تھا اور
اس کا تراشہ الگ سے وہ اپنی فائل میں بھی لگاتے — اپنے لئے ایک الگ فائل بنا
رکھی تھی اور موٹے کوٹ کی فائل پر کافی موٹی روشنائی والے قلم سے لال لال



شائع ہوتا، اس دن وہ دوڑے دوڑے بازار رحمت علی نکل جاتے۔ جہاں اردو
کتابوں اور اخبارات کی ایک قطار سے دو چار دکانیں لگتی تھیں۔ پھر اس کے تراشے
کاٹے جاتے۔ اپنے نام کو وہ لال روشنائی سے گھیر دیتے...... اس مخصوص فائل میں
ایسے چھ سات تراشے جمع ہو گئے تھے — جسے خالی وقت میں صفدر علی نکال نکال کر
دیکھا کرتے اور خوش ہوتے رہتے...... سید وہاب الدین اور امام پشاوری کے ساتھ
ان کی تصویریں بھی پرانی دنیا اور اخبار وطن میں شائع ہوئی تھیں — اس کے
تذکرے بھی انہوں نے دوستوں سے ہزاروں بار کئے ہوں گے...... اور مشہور ہے
کہ ان کے دوست اب ان سے اس لیے بھی کٹنے لگتے تھے کہ صفدر ملا نہیں کہ وہاب
الدین اور امام پشاوری سے ملاقات کی باتیں لے کر بیٹھ جائے گا...... احمد میاں
وکیل کا چمچا......

لیکن صفدر کو اطمینان تھا کہ وہ بہت بڑا کام کرنے جارہا ہے۔ ایسا کام
جس میں اس کی قوم کی بھلائی ہے — اور وہ اس بات سے بہت خوش رہتا تھا اور
مطمئن...... کہ اب وہ دن دور نہیں جب وقت کی گردش دور ہوگی اور اس کا قطب
ستارہ بلند ہوگا...... بس وہ اسی ایک لمحہ کا منتظر تھا جب وہ بہت اوپر، بلندی کے
آسمان پر نظر آئے گا۔ وہ کہتا بھی تھا —

'' زندگی بہت مختصر ہے...... یہاں ہر شخص اس ایک لمحے کی آرزو میں جیتا
ہے...... اس ایک خوش بخت لمحے کی آرزو میں جو اس کی تقدیر میں آسمان لکھ دے گا۔
اسے بلندیوں پر پہنچا دے گا۔ یہاں ہر شخص اسی ایک لمحے کے لئے جنگ لڑتا ہے......
اب یہ جنگ میں نے بھی شروع کی ہے اور دیکھنا ہے تقدیر کب پلٹی مارتی ہے......

صفدر علی اپنے کام کو ایک جنگ تصور کرتے تھے۔ ایک خاص طرح کی

آتے ...... کبھی کبھی آٹھ یا نو بج جاتے ...... کورٹ سے واپس آنے کے بعد احمد علی وکیل کی خواہش ہوتی کہ تھوڑی دیر صفدر میاں سے باتیں کی جائیں۔ وہ کبھی کبھی رات کے کھانے پر بھی زور دیتے اور صفدر علی کو چاروناچار رکنا پڑ جاتا۔ اس رکنے کے پیچھے ایک اور وجہ تھی کہ اسی بہانے وہ صوفیہ کو زیادہ سے زیادہ دیکھ سکیں گے جو ہر آدھے گھنٹے بعد کسی نہ کسی بہانے احمد صاحب کے کمرے میں ضرور پہنچ جاتی ...... ابا چائے پیجئے ...... دوائی کا وقت ہوگیا — کتنے بجے نماز پڑھیں گے — ہر بار وہ عجیب نظروں سے صفدر علی کی طرف نگاہ غلط ڈالتی اور صفدر علی کو لگتا جیسے آدھی سانس اندر اور آدھی سانس باہر ...... وہ ترچھی نظر سے صوفیہ کی طرف دیکھتے۔ دل دھک دھک کرنے لگتا ...... وہ اپنے آپ کو سمجھا پانے میں سوفی صدر ناکام ثابت ہوتے کہ وہ صوفیہ سے پیار کرنے لگے ہیں۔

صوفیہ کے جانے کے بعد مولوی احمد تھوڑی دیر تک کچھ ڈکٹیشن دیتے۔ کچھ خبریں نوٹ کراتے اور پھر کہتے۔ کیا خوب ...... بھئی خوب ...... واہ خوب ...... میاں طے رہا۔ اس بات سے ہنگامہ مچ جائے گا۔ کیوں کیسی رہی ...... اب دیکھو نا ...... یہ دماغ تو کمپیوٹر کا دماغ ہے ...... کچھ باتیں اچانک آجاتی ہیں ذہن میں۔ اتنی اچانک کہ ہم تیار بھی نہیں ہوتے ...... خوب کیا خوب ......'

وہ مسکراتے ...... ہاں تو میاں صفدر علی — اب، اس دن کا واقعہ لو ...... ملکی آواز اور الہلال کے نائب مدیر تشریف فرما تھے — کیا خوب ...... وہ لڑکا بھی تھا ...... وہی ...... نوجوان ...... ارشد پاشا ...... وہ ذرا ٹھہرے ......

صفدر علی کے منہ کا مزہ کڑوا ہوگیا۔ اس نام سے اسے جنم کی چڑھ ہوگئی تھی ......



ہے اس لڑکے میں۔ مذہب نہیں مانتا۔ اب مسلمان لڑکوں میں یہ برائی بھی آگئی ہے۔ انٹکچلول سمجھتے ہیں اپنے آپ کو اور سمجھتے ہیں کہ مذہب کو برا بھلا کہیں گے تو ان کی تعریف ہوگی ...... مگر کیا خوب ...... میاں یہ بات سب سمجھتے ہیں کہ آدمی وہی کھرا ہے جو اپنے مذہب کا سچا ہے ...... لکھو لو میاں ...... شاید یہ بات بھی کسی اخبار میں دینے کے کام آجائے۔ ایک سچے پنڈت اور سچے مولوی کی قدر بھی کرتے ہیں۔ نوٹ کرتے جاؤ ...... یہ آج کے مولوی ملا نہیں ......

اتنا کہہ کر وہ ٹھہرے ...... اپنی بات خود ہی غلط لگی۔ اس لیے فوراً بات بدلی ...... اب گزرے ہوئے کل کا ہی جائزہ لو ...... کیا قدر تھی جناب فقیروں کی ...... پہنچے ہوئے فقیروں کی، پنڈتوں کی ...... سر آنکھوں پر بٹھائے جاتے تھے۔ مجمع لگا رہتا تھا اور آج ...... دراصل ہم نے اپنی قدریں خود گھٹائی ہیں۔ مانتے ہو نا یہ بات ...... خوب کہی ...... اب وہ ملا رہے نہ پنڈت ...... نہ شیخ رہے نہ برہمن ...... واہ میاں ...... مان گئے ...... ہاں تو میں کہہ رہا تھا ......''

''اس دن ارشد پاشا پہلی بار آئے تھے۔''

''ہاں میاں خوب یاد دلایا۔ اب دیکھو نا ...... جب سارے لوگ چلے گئے اور یہ دونوں ٹھہر گئے تو سوچا کیوں نہ کچھ دیر گفتگو بھی کر لی جائے۔ ہوسکتا ہے یہ دونوں کسی ڈیلی یا ہفتہ وار اخبار میں ملازم ہوں ...... اس لئے پوچھا کہ بھائی کرتے کیا ہو ...... اتنا کہہ کر احمد میاں ہنسے ...... جانتے ہو ...... بندے نے کیا جواب دیا ...... ام ایس سی کر رہا ہوں ...... وہ دوبارہ ہنسے ...... بس کیا تھا میرے کمپیوٹر ذہن میں فوراً ایک نیا خیال آیا۔ میں نے پھر پوچھا — وہ تو ٹھیک ہے میاں مگر کرتے کیا ہو ......؟ اب تو بیچارہ پریشان — پھر وہی جواب دیا ...... ام ایس سی کر رہا ہوں۔

[illegible] نے ایک بڑی سی تقریر جھاڑ دی...... [illegible]
لوگوں میں۔ ایک آدمی کماتا ہے اور لڑکے جوان ہیں مگر صرف پڑھ رہے ہیں اور ماں باپ کے کندھوں پر بوجھ ہیں...... کیوں خوب رہی نا...... احمد میاں پھر ہنسے۔

''مگر آپ کی یہ تقریر تو کئی اخباروں نے شائع کردی تھی۔''

''ہاں میاں اور ان باتوں کو خوب سراہا گیا۔ مگر میں یہ کہہ رہا تھا کہ کبھی کبھی ذہن میں پہلے سے کوئی بات نہیں رہتی...... اچانک آجاتی ہے — جیسے دیکھو ابھی...... ابھی اس وقت تم سے باتیں کرتے ہوئے ایک نیا خیال ذہن میں آرہا ہے...... نوٹ کرو میاں...... قلم کاغذ سنبھال لو...... اپنی قوم میں کوئی سائنسداں کیوں نہیں ہے......؟ بولو...... جواب دو...... ارے ایک عبدالسلام سے کیا ہوتا ہے......؟ جہاں نظر دوڑاؤ وہاں ایسے قابل سائنسداں نظر آنے چاہئیں...... قابل انجینئر، وکیل، آئی ایس افسر، ہم کیوں نہیں پیدا کرتے...... چشتی اکادمی، امام غزالی اکادمی ان کے انگریزی اسکولوں کی طرح......''

'مگر اردو پڑھ کر......' صفدر علی نے قطع کلام معاف کرتے ہوئے کہا...... 'کون نوکری دے گا۔ اردو کا کیا مستقبل ہے ہندوستان میں؟'

''آو اسے بھی لکھو...... جس زبان کا رشتہ روزی روٹی سے الگ کردو گے وہ زبان دم توڑ دے گی۔ میاں یہ اردو ہی کا دم ہے جو آزادی کے بعد لگاتار مظالم کو سہتے رہنے کے باوجود زندہ ہے اور شان سے زندہ ہے۔ قلم کی زبان اردو، نغمے کی زبان اردو — عام روز مرہ کی زبان اردو — کیا خوب میاں سب نوٹ کرتے جاؤ۔ اور کل جتنے بھی اخبارات ہیں ہندی، اردو اور انگریزی سب جگہ یہ بیانات دے آؤ......''

صفدر علی نے منہ بنایا۔ ''ہندی اور انگریزی والے اس طرح کی خبر نہیں



''تنگ نظر، متعصب......'' احمد صاحب بڑبڑائے...... میں جانتا ہوں سب شرارت ہے ان کی...... وہ مسلمانوں کے مسائل میں دلچسپی نہیں لینا چاہتے...... اس کو بھی نوٹ کرلو...... کہ وہ صرف سیکولر پریس کا بہانہ بنانا چاہتے ہیں جبکہ ایسا نہیں ہے...... میرے خیال سے اخبار وطن والے اور پرانی دنیا والے ان لائنوں کو سرخیوں میں چھاپیں گے...... کیوں صفدر علی......؟''

''ہاں صحیح فرمایا آپ نے......''

''متعصب تنگ نظر'' — وہ ایک بار پھر بڑبڑائے...... کیا خوب...... یاد آیا ارے وہ سلمان رشدی کی کتاب کا آج کل ہنگامہ چل رہا ہے...... کیا نام ہے...... لاحول ولاقوۃ...... Satanic Verses شیطان کی آیتیں...... اللہ کی آیتیں سنی تھی...... یہ شیطان کی آیتیں...... تم نے سنا اس کی بیوی فرنگی ہے۔ ایسے لوگوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا میاں...... تم یہ خبر دے دو — اس طرح کی کتابوں کی بھرپور مذمت ہونی چاہئے...... اور ہر شخص کو مذمت کرنی چاہئے اور جو نہیں کرتا وہ فاشسٹ ہے...... ہاں فاشسٹ ہے لکھ لو...... جو شخص اس کی حمایت میں بولتا ہے اس کا مطلب وہ سیکولر نہیں ہے۔ مسلمانوں کا دشمن ہے۔ آگے لکھو...... مولوی احمد دنیا کے ہر ملک سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنے اپنے یہاں اس کتاب پر پابندی لگا دیں......

''مگر محترم! آپ نے یہ کتاب پڑھی ہے —؟''

'خوب فرمایا میاں...... شیطان کی آیتیں...... اب شیطان بھی قرآن پاک نعوذ باللہ لکھنے لگے اور تم ایسی کتابوں کے پڑھنے کی بات کرتے ہو — بس ایسی کتابوں پر پابندی لگنی چاہئے...... تم دیکھ لینا یہ خبر ہندی اور انگریزی دونوں

[illegible]

احمد میاں اب مطمئن تھے...... ایک نظر انہوں نے پرانی فائلوں پر ڈالی۔

کچھ دیر یونہی ادھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے—— پھر اچانک انہیں یاد آیا۔

''ہاں تو میاں۔ اب ہمیں خود بھی ایک اچھا سا اخبار جاری کرنا ہوگا۔ کیوں کیسا رہے گا؟''

صفدر علی تو اچھل پڑے...... بیٹھے بیٹھے اچانک انہیں خوش نما خواب نظر آنے لگے...... ایک خوبصورت سی کار۔ اُن کے آگے پیچھے بھیڑ لگی ہے۔ وہ تقریر کر رہے ہیں۔ مختلف جگہوں پر بلائے جا رہے ہیں۔ یہ سارے خواب ایک لمحہ میں ان کے سامنے سے گزر گئے۔ وہ اس وقت چونکے جب احمد صاحب ان سے پوچھ رہے تھے۔

''کہاں کھو گئے میاں۔ اخبار کی ذمہ داری بھی تمہیں سنبھالنی ہوگی۔''

'میں بخوشی تیار ہوں——'

''خوب'' وہ آہستہ سے بولے...... اب دیکھونا...... آج کے زمانے میں اپنا پریس ہونا بہت ضروری ہے۔ میرے خیال میں سب سے ضروری چیز اپنا لٹریچر چھاپنا ہے اور انہیں ساری دنیا میں تقسیم کرانا۔ پریس کی اہمیت یوں تو ہر زمانے، ہر دور میں رہی ہے—— مگر آج، کل سے کہیں زیادہ اس کی ضرورت ہے۔ اُس دن بدر کی بات سے یہ خیال آیا کہ اپنا پریس ہوئے بغیر کام آگے نہیں بڑھ سکتا—— بس ایک ہندوستانی آفسیٹ پریس ڈھونڈنا شروع کر دو۔ سیکنڈ ہینڈ مل جائے تو کام شروع ہو جائے۔ مگر ہاں میاں۔ تمہارے ذہن میں اخبار کے لئے کوئی اچھا سا نام ہے۔''

''کیسا اخبار نکالیں گے آپ——؟''

''ہفتہ وار''—— سوچتے ہوئے احمد علی بولے...... ٹھیک رہے گا......؟''

''ہاں بالکل ٹھیک'' صفدر علی کو اب بھی خواب آ رہے تھے۔ اس کے ذہن



''بس میاں...... خوب...... بہت خوب...... جی خوش کر دیا...... بس یہ نام چلے گا۔ میں کل ہی اس نام کو رجسٹریشن کرانے کے لئے دے دیتا ہوں۔ میاں تم واقعی کام کے آدمی ہو...... کیا نام ڈھونڈھ کر نکالا......''

●●

اس طرح طے پایا کہ مجاہد کو جلد ہی ہفتہ وار کے طور پر نکالا جائے گا اور اسے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے گا۔ احمد میاں وکیل نے اس کے بعد دو بار منہ پر ہاتھ رکھ کر جماہی لی۔ واضح تھا کہ دفتر کے بعد کی اس مشغولیت سے اب وہ تھک چکے ہیں...... اور آرام چاہتے ہیں۔ اچانک دروازے پر پھر وہ سلمان کا بچہ دکھائی دیا جو پانی کا گلاس لئے تیزی سے کمرے میں داخل ہوا تھا—— اور ایک بار پھر دروازے سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا...... اس کی آنکھوں میں اداسی تھی—— جیسے وہ اپنے بار بار دھکا کھانے پر رنج کر رہا ہے۔ احمد میاں مسکرا دیئے...... صفدر علی خاموشی میں ڈوب گئے تھے...... اب تو صرف ہرے بھرے خواب تھے...... جو ہر پل آنکھوں میں مچل رہے تھے...... مدیر کے طور پر تو انہی کا نام جائے گا...... پھر تو ہر وقت فون کی گھنٹی بجتی رہے گی...... صفدر صاحب کو فون دیجئے۔ وہ سلمان کی ڈیوٹی یہیں لگا دیں گے...... فون ریسیو کرنے کے لئے......

ہفتہ وار مجاہد میٹنگ کی ختم ہوگئی۔ صفدر علی شان سے اٹھے...... احمد میاں بھی اپنے کمرے میں لوٹ گئے تھے...... رات کے دس بج گئے ہوں گے...... آسمان پر تارے کم تھے...... کچھ بادلوں کے ٹکڑوں نے آسمان کے زیادہ تر حصے پر اپنا قبضہ جما رکھا تھا۔ شان بے نیازی سے صفدر علی باہر آئے—— ان کے قدم ہوا میں اٹھ رہے تھے...... ایک لمحہ میں انہوں نے خود کو بہت آگے تصور کر لیا۔ یہ مولوی

عرفان، قا م [illegible] سن، سید وہاب الدین اور امام بخاری [illegible]۔۔۔۔۔ جب صفدر علی کی قلم چلے گی۔۔۔۔۔ تب دیکھنا۔۔۔۔۔ قوم کے پرانے دن لوٹ آئیں گے۔۔۔۔۔ دھواں دھار قلم۔۔۔۔۔ اور چاروں طرف صرف صفدر علی کے ہنگامے ہوں گے۔۔۔۔۔ چہرے پر عجب سی خاموشی چھا گئی۔۔۔۔۔ دروازے سے باہر نکلتے ہوئے چونک گئے۔۔۔۔۔ اندھیرے میں آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے دو سائے نظر آئے۔۔۔۔۔ اس سے پہلے کہ وہ چونکتے، سرد سی آواز صفدر علی کے کانوں سے ٹکرائی۔۔۔۔۔

''کیوں میاں صفدر علی — بیمار ہو گیا؟ چہرہ بالکل پیلا پڑا ہوا ہے۔''

صفدر علی نے گھوم کر دیکھا اور جیسے خواب کی وادیوں سے تاڑ کے درخت میں الجھ گئے۔۔۔۔۔ یہ صوفیہ تھی اور ارشد پاشا۔۔۔۔۔ ارشد پاشا طنز سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

''بیمار پڑیں میرے دشمن۔''

''آپ اپنا علاج کرائیے میاں۔ ایسا لگتا ہے یہ قوم کا درد آپ کو کسی خطرناک قسم کی بیماری میں مبتلا کر دے گا۔۔۔۔۔''

''مجھے ایسی باتیں پسند نہیں''۔

صفدر علی نے منہ بنایا۔۔۔۔۔ منہ کا مزہ کسیلا ہو گیا تھا۔ وہ تیز تیز چلتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ دھیمے قہقہے ابل رہے تھے۔ جن میں ایک نقرئی ہنسی بھی شامل تھی۔ اب وہ کچھ سن نہیں رہے تھے بلکہ تیز بہت تیز اپنے گھر کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔۔۔۔۔

## (10)

سائے اب روشن تھے۔۔۔۔۔ صوفیہ کا ڈرا ڈرا اور سہما سہما چہرہ نظر آ رہا تھا۔ دونوں دیوار کی آڑ میں گفتگو میں مصروف تھے۔ اس کے ساتھ ارشد پاشا تھے —



[illegible]

ہوتا ہے۔۔۔۔۔ طویل خاموشی۔۔۔۔۔ پھر بجتے ہوئے چند لفظ۔۔۔۔۔ چند بڑے لفظ۔۔۔۔۔ گہرے لفظ۔۔۔۔۔

''مجھے نفرت ہونے لگی ہے۔۔۔۔۔ ہر چیز سے۔۔۔۔۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔۔۔۔۔ شاید اس لئے کہ جو چاہتا ہوں وہ واضح نہیں ہے۔۔۔۔۔ کیا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔'' ارشد پاشا کی آواز ابھری۔۔۔۔۔ اب کتابوں سے بور ہو گیا ہوں۔۔۔۔۔ کبھی یہ کیمسٹری میرا دلچسپ موضوع ہوا کرتی تھی۔ کیمسٹری۔۔۔۔۔ مگر لگتا ہے ہم سب۔۔۔۔۔ سارے ہندوستانی۔۔۔۔۔ ہاں ہندوستانی۔۔۔۔۔ صرف جاب کے لئے پڑھتے ہیں۔۔۔۔۔ امتحان دینے کے لئے اور کامیاب ہونے کے لئے۔۔۔۔۔ اس سے آگے۔۔۔۔۔ اُکتاہٹ ہوتی ہے۔۔۔۔۔ کبھی کبھی صرف گول گول تھرکتے ہوئے لفظ بچ جاتے ہیں۔۔۔۔۔ جو پوری کتاب پر پھیل جاتے ہیں۔۔۔۔۔ سیڑھی در سیڑھی۔۔۔۔۔ اور مجھے لگتا ہے میں ان گول گول تھرکتے لفظوں کے آگے ایک بھی سیڑھی نہیں چڑھ پاؤں گا۔۔۔۔۔ کچھ حاصل نہیں ہوگا — اس لئے کہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔''

''تم ہار رہے ہو۔۔۔۔۔ نہیں ہارنے لگے ہو۔۔۔۔۔'' صوفیہ آہستہ سے بولی۔۔۔۔۔

''شاید — شاید ایسے ماحول میں صرف ہار ہی ملتی ہے۔۔۔۔۔ تم نے میرا گھر دیکھا ہے۔۔۔۔۔ جہاں پرانے اندھے یقین کی ماری بی اماں جب کبھی جاگتی آنکھوں سے میری طرف دیکھتی ہیں تو لگتا ہے وہاں کئی ارمان چھپے ہیں — آرزوئیں چھپی ہیں — جو مجھ سے کچھ طلب کرتی ہیں — بیٹے تم ہی ہو۔۔۔۔۔ اس گھر کے بڑے لڑکے۔۔۔۔۔ پھر کچھ دنوں میں ریٹائر ہونے والے ابا حضور پر نظریں ٹھہر جاتی ہیں۔۔۔۔۔ جو پرانی یادوں کو سینے سے لگائے امید بھری نظروں سے مجھے گھورتے رہتے ہیں — کہ کچھ دن میں پنشن یافتہ ہو جاؤں گا۔۔۔۔۔ پھر راشدہ ہے۔۔۔۔۔ چھوٹا

اڑانوں کے درمیان یہ سوال اچانک ہمیں آسمان سے زمین پرلا دیتا ہے...... روٹی
سے جڑتے ہوئے ہم پھر وہیں آجاتے ہیں — اپنی چھوٹی سی دنیا میں...... ایک حد
میں سمٹے ہوئے......

صوفیہ آہستہ سے بولی...... 'یہ جذبات اور احساس کچھ نہیں دے سکتے
ہیں...... پاں توڑتے رہیں گے...... اس سے باہر کیوں نہیں نکلتے ہوتم...... اس جال
سے......؟''

ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ ارشد پاشا دانتوں کو مضبوطی سے جکڑے
ہوئے تھے...... پیشانی پر بل پڑ گئے تھے...... آنکھوں میں اب پھر سے ایک طوفان
مچل رہا تھا...... باہر سڑک سے گاڑیوں کے شور رہ رہ کر گونج رہے تھے......

''مجھے لگتا ہے...... بہت جلد بہت کچھ بدل گیا...... ڈیڈی کا نظریہ
بھی......'' وہ آہستہ سے بولی...... لیڈر بننا بھی ایک جنون سا ہے...... کل تک ڈیڈی
اتنے کنزرویٹو نہیں تھے...... لیکن اب لگتا ہے ان کی آنکھیں بدل رہی ہیں...... وہ
کچھ بولتے تو نہیں...... لیکن اب لگتا ہے...... ان آنکھوں میں کچھ کچھ چلنے لگا
ہے...... اور یہ آنکھیں ایک دن بول دیں گی...... صوفیہ یہ تمہارا غیر لڑکوں سے ملنا
ٹھیک نہیں ہے......' اس نے ٹھنڈی سانس بھری...... 'جانتے ہو کیوں...... اس لئے
کہ اب ڈیڈی کے پاس ٹوپی لگائے ہوئے مولوی لوگ آنے لگے ہیں...... یہ لوگ
اتنا گندہ لباس کیوں پہنتے ہیں......؟ اب مجھے ان ٹوپیوں والے سے......' اس نے
ہونٹ داب...... 'یہ کچھ نہیں کرسکتے...... یہ ڈھیلے ڈھالے لوگ ہیں...... جہاں کوئی
حرکت نہیں، گرمی نہیں...... چنگاری نہیں...... اور یہ ٹوپی والے ایک دن مجھے پردہ
نشین بنا کر چھوڑیں گے...... مگر میں بھی دیکھ لوں گی......''



''شہر کی فضا پھر بگڑ گئی ہے......'' ارشد پاشا نے بات بدلی...... 'یہ وہاب
الدین اور امام پشاوری ہندوستان سے مسلمانوں کو ختم کر کے دم لیں گے...... کس
نے بنایا ہے انہیں رہنما......؟'' ارشد پاشا کی آواز سخت ہوگئی تھی...... کچھ سمجھ میں
نہیں آتا...... کیا ہوگا......؟ اس ملک کا کیا ہوگا......؟ جہاں سیاسی گوٹیاں فٹ کر کے
حکومت چلائی جاتی ہو...... جہاں توپ خریدنے کی فکر تو ہو مگر فساد و دنگے روکنے سے
کسی کو کوئی مطلب نہیں ہے...... میرا بس چلے تو ان کٹھ ملاؤں کو تاعمر جیل میں بند
کردوں...... اور پوچھوں کہ تمہیں ہمارا رہبر کس نے بنایا ہے......؟ کس نے بننے کو
کہا ہے......؟ بند کرو یہ تماشہ......''

''فضا سچ مچ خراب ہے'' صوفیہ آہستہ سے بولی...... پھر دونوں خاموش
ہوگئے...... اندر سے ایک تیز آواز آئی......

''صوفیہ بٹی......''

احمد وکیل تیز قدموں سے چلتے ہوئے باہر نکل آئے تھے — سفید کرتا
پائجامہ — سر پر کالی ٹوپی...... آنکھوں میں سرمہ لگائے ہوئے...... دبلا پتلا جسم......
دروازے پر آ کر ایک لمحے کو ٹھہر گئے احمد میاں......

پھر ایک تیز آواز اُبھری......

''صوفیہ اندر آجاؤ۔ دس بج چکے ہیں۔''

صوفیہ اندر ہی اندر کانپ گئی — اس نے ارشد پاشا کو جانے کا اشارہ کیا۔
ارشد میاں عجب اُلجھن میں گرفتار — ندامت کے بوجھ سے دبے گیٹ کھول کر
آگے بڑھ گئے...... اپنی جگہ اب بھی پتھر کی مورت بنے کھڑے تھے احمد وکیل......
صوفیہ خاموشی سے ان کے پاس سے نکل کر اندر جا چکی تھی۔ وہ کافی دیر تک اپنی جگہ

کھڑے رہے...... پھر کچھ سوچ کر آگے بڑھ گئے......

'صوفیہ اپنے کمرے میں چلی گئی تو......؟'

احمد وکیل کے کانوں میں آہستہ آہستہ کچھ ملی جلی آوازوں کی بازگشت سنائی دے رہی تھی— تم دھیرے دھیرے اوپر اٹھ رہے ہو...... لوگ تمہیں جاننے لگے ہیں...... جاننے والوں کا یہ کارواں بڑھ رہا ہے...... یہ کارواں بڑھتا جائے گا...... لیکن باہر دیکھنے سے قبل تمہیں اپنے گھر کو دیکھنا ہوگا...... ورنہ تمہاری باتوں کی شنوائی نہیں ہوگی احمد وکیل...... اب تمہیں دنیا جاننے لگی ہے...... اور ہر شہرت یافتہ آدمی کے پیچھے دس آنکھیں لگی ہوتی ہیں جو اس کی خامیاں تلاش کرتی رہتی ہیں...... اس لئے تمہیں صوفیہ کو سمجھانا ہوگا...... اس بن ماں کی بچی کو...... آہ......'

اس لفظ نے انہیں آہستہ آہستہ نارمل کیا...... پھر کتنا کچھ آنکھوں میں گھوم گیا...... دھندلی دھندلی سی ایک تصویر آنکھوں میں رینگ گئی...... وقت کی سنگدلی کی داستان آنکھوں میں گھوم گئی......

کتنا بے رحم ہے وقت...... زبیدہ ان کی چچیری بہن تھی...... بچپن سے وہ زبیدہ کو پسند کرتے تھے اور عام مسلم خاندانوں کی طرح ان دونوں کی شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ اس لئے کہ کم عمری میں ہی انہوں نے قانون کی تعلیم مکمل کرلی اور پریکٹس چل نکلی۔ چھوٹے ابا نے بخوشی زبیدہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دے دیا۔ خاندان کی لڑکی خاندان میں رہے، اس سے اچھی بات اور کیا ہوسکتی ہے...... زبیدہ آگئی اور گھر اس کے آنے سے گلزار ہوگیا...... ہنستی مسکراتی زندگی کچھ اور آگے بڑھی...... اب صوفیہ آگئی تھی...... سب کی پیاری...... پورے گھر کی پیاری...... انہیں احساس ہوا، اصل زندگی کی شروعات اب ہوئی ہے...... اس سے زیادہ فخر کسی باپ کو اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس کے جوان بازوؤں میں اس کی اپنی تخلیق گھوم رہی ہے۔ وہ



صوفیہ [illegible] اکثر زبیدہ اور وہ پیدل ہی بازار نکل جاتے...... تب صوفیہ اس کی گود میں ہوتی اور یہ اس کے لئے فخریہ لمحہ ہوتا...... شاید اس کے جیسے ہر مرد کے لیے سب سے زیادہ فخریہ لمحہ یہی ہوتا ہے...... لیکن یہ خوشی وقت کو کچھ زیادہ منظور نہیں تھی...... پھر وقت کا رتھ گھوما...... اور ہنستے مسکراتے گھر میں ماتمی دھن بج اٹھی......

وہ سارے منظر آنکھوں میں اب بھی لرزتے ہیں...... چند دنوں کی معمولی بیماری کے بعد زبیدہ رخصت ہوگئی...... برین ہیمرج...... وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا...... وہ تو ایک دن اچانک زبیدہ باتھ روم میں گر پڑی...... اسپتال میں بھرتی کیا گیا...... علاج چلتا رہا۔ وہ تو اسے معمولی چکر ہی تسلیم کرتا رہا...... اس وقت اس کے ہوش اڑ گئے۔ جب ڈاکٹر نے اسے بلاکر کہا— آپ کے لئے ایک بری خبر ہے...... آپ بیوی کی کڈنی ڈیمج ہوچکی ہے...... وہ اچانک جیسے سناٹے میں آگیا تھا...... بدن سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو...... تھوک گھونٹتے ہوئے بڑی مشکل سے لرزتے ہوئے اس نے پوچھا...... بچنے کا چانس ڈاکٹر...... ؟"

"ایک پرسنٹ بھی نہیں...... اب دعا کا وقت ہے......"

احمد وکیل غش کھا گئے...... آسمان گھوم گیا...... اچانک سب کچھ بدل گیا...... باہر نکل کر، برآمدے کی دیوار کو پکڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے...... بچوں کی طرح...... تو زبیدہ چلی جائے گی...... چلی جائے گی...... ہمیشہ کے لئے...... پھر اُن کا کیا ہوگا...... مگر وقت کے پہیے کو جذبات اور احساسات کی فکر ہی کہاں ہوتی ہے— وہ رات قیامت کی رات تھی...... رمضان شریف کا مقدس مہینہ...... جمعرات کا دن...... زور زور سے بارش ہو رہی تھی...... اور یہ رات اس کے لئے ایک ایک لمحہ عذاب ثابت ہو رہی تھی...... انہیں لگ رہا تھا...... آج کی

رات زبیدہ کی آخری رات ہے۔ صوفیہ اس کی باہوں سے لگی جھول رہی تھی......
زبیدہ مستقل بے ہوش تھی...... آکسیجن نلکی اس کی ناک میں لگی تھی...... ڈاکٹر افسوس
ظاہر کر کے جاچکا تھا...... اب صرف خدا ہے تمہارا...... وہ باہر برآمدے میں اللہ کے
حضور میں گڑگڑا رہے تھے...... مدد اللہ...... آگے ایک لمبی زندگی پڑی ہے...... پہاڑ
جیسی...... مدد اللہ۔ یہ زندگی بغیر زبیدہ کے کیسے گزرے گی...... کوئی کرشمہ دکھا اللہ کوئی
معجزہ کر دکھا۔ دکھا دے ان ڈاکٹروں کو۔ زبیدہ میں زندگی ڈال دے اللہ۔ میرے
اللہ...... وہ جو بھی منہ میں آرہا تھا بول رہے تھے۔ آنکھوں سے آنسو رواں تھے......
میرے اللہ...... پیارے اللہ — زبیدہ میں زندگی ڈال دے...... بچی کا خیال کر اللہ۔
اس کا میرے سوا دنیا میں کوئی نہیں...... کوئی نہیں اللہ پاک پروردگار...... زبیدہ میں
زندگی ڈال دے......

اور تبھی نرس بھاگی بھاگی باہر آئی...... انہوں نے آنکھیں کھول دی ہیں —
وہ آپ کو بلا رہی ہیں۔"

وہ بھاگے بھاگے اندر آئے...... زبیدہ نے سہمی سہمی آنکھیں کھول دی
تھیں...... وہ مسکرائی...... صوفیہ کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا...... مگر ہاتھ اٹھ نہیں سکا۔
سوئیوں نے پورا ہاتھ چھلنی کر دیا تھا — چہرے پر ورم آگیا تھا۔ پھولا پھولا چہرہ......
کیسی معصومیت تھی...... کتنا نور برس رہا تھا زبیدہ کے چہرے پر...... وہ مسکرائی......
ایسی مسکراہٹ اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی...... عجیب سی مسکراہٹ...... زبیدہ نے
عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا...... پھر صوفیہ کی طرف...... کچھ کہنا
چاہتی تھی مگر نقاہت سے...... کمزوری سے......

'ہاں زبیدہ...... بولو...... بولو...... کیا کہنا چاہتی ہو...... بولو زبیدہ......؟'
اس کی آواز لرز رہی تھی — 'بولو زبیدہ...... ہاں دیکھو صوفیہ ہے...... خدا



ہائے لئے زبیدہ...... اٹھ کر جاؤ...... اٹھ بھی جاؤ......

وہ مسکراہٹ...... عجیب سی مسکراہٹ...... جو مرنے والی کی آنکھوں میں
اور ہونٹوں پر تھی...... اسے لفظوں میں نہیں بتایا جاسکتا...... وہ سچ مچ عجیب سی
مسکراہٹ تھی...... اور ایسی مسکراہٹ کہ اس نے اب تک کسی کتاب میں تصویر میں یا
اپنی زندگی میں کسی کی آنکھوں میں نہیں پائی...... ان آنکھوں میں کیا تھا......؟ کیا کہنا
چاہتی تھی......؟ وہ آخری مسکراہٹ......

'نہیں نہیں......'

آنسوؤں کے چند قطرے خود بخود احمد وکیل کی آنکھوں سے بہہ گئے۔
انہوں نے آنکھیں خشک کیں۔ کتنا عرصہ گزر گیا۔ مگر وہ مسکراہٹ اب تک ان کی
آنکھوں میں قید ہے...... وہ اب بھی آنکھیں بند کرتے ہیں تو لگتا ہے...... زبیدہ
بھی مسکراتی ہوئی اُن کی طرف دیکھ رہی ہے...... اپنی صوفیہ کو اور اسے...... مگر کیا کہنا
چاہتی تھی زبیدہ......؟

وہ رات زبیدہ کی زندگی کی آخری رات ثابت ہوئی...... پھر وہ تن تنہا
ہو گئے۔ پہاڑ جیسی راتیں...... اب سب کچھ صوفیہ تھی...... اور ان کی پریکٹس...... وہ
اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ مشغول رکھنا چاہتے تھے...... اور یہ انہوں نے کیا بھی۔
انہوں نے سوچ رکھا تھا صوفیہ کو کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے دیں گے۔ اسے
آرام ہی آرام دیں گے...... اسے بیٹے کی طرح رکھیں گے...... اسے ہر طرح کی
آسائش مہیا کریں گے...... بچپن سے ہی صوفیہ کو انہوں نے ہر طرح آزادی دے
رکھی تھی — اس کی تعلیم کا خاص خیال رکھا تھا۔ انگریزی تعلیم کے علاوہ اردو اور عربی
کے لئے ایک استاد بھی تقرر کیا تھا۔ دینیات کی تعلیم بھی دلوائی تھی...... زبیدہ کے
بعد وہ اکیلے رہ گئے تھے...... اور اس اکیلے پن اور تنہائی سے گھبرا کر وہ مذہب کی

طرف جھکے تھے۔ پنج وقتہ نمازی۔ یہ تبدیلی ان کے اندر [illegible] آئی تھی۔
پھر مذہبی کتابوں میں دلچسپی بڑھی۔ امام غزالیؒ کی احیاء العلوم ہو، بڑے پیر صاحب حضرت عبدالقادر جیلانی کی غنیۃ الطالبین ہو، سیرۃ الاولیاء ہو، حدیث ہو، سلیمان ندوی کی قرآن شریف کی تفسیر ہو......اب ان کی لائبریری میں اس طرح کی کتابوں میں اضافہ ہوا جا رہا تھا......وہ روز بروز ان کتابوں کی جانب زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرتے......

پہلے وہ گھر میں نماز پڑھا کرتے۔ پھر مسجد جانے لگے۔ مسجد جانے کے کئی فائدے تھے۔ وقت سے پہلے جاتے تو وہاں کئی دوسرے مولویوں سے ملاقات ہو جاتی اور پھر وہاں وہ مذہبی مباحث میں الجھ جاتے......اب رفتہ رفتہ اپنے مطالعے کی وجہ سے وہ لوگوں کی نگاہوں کے مرکز بنتے جا رہے تھے......اسی درمیان بابری مسجد کا معاملہ اٹھا۔ پورے ملک کی فضا ہی بدل گئی اور اس فضا کا فائدہ اٹھا کر کتنے ہی مسلم سیاسی ''رہنما'' قوم کے قائداعظم بن گئے۔ یہ سید وہاب الدین تھے۔ قاسم حسین تھے۔ امام پشاوری تھے......مولوی فرقان تھے......مولوی فرقان شاندار مقرر تھے۔ بولتے تو لگتا جیسے آبشار بہہ رہا ہو......تیز لہروں جیسی روانی تھی......مجمع دم بخود رہ جاتا۔ مولوی فرقان نے بابری مسجد کا معاملہ اٹھا کر جہاں جہاں تقریر کی وہاں دوسرے دن ہی دنگے ہوگئے۔ یہ ان کی جادو جگاتی تقریر کا اثر تھا یا زہریلے لفظوں کا......حکومت نے ان کی تقریر پر پابندی عائد کی تھی — ان کی تقریر کے کیسٹ دھڑ ادھڑ مسلم محلوں میں بنے جا رہے تھے......ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ......ہر جگہ ان کی تقریر کا چرچا تھا۔ نوجوانوں میں خاص کر......مسلم محلوں میں ہر جگہ ان کی جوشیلی تقریر ہی گفتگو کا مرکز تھی۔ جہاں دو چار لوگ بیٹھ جاتے......
کچھ دن سے اس شہر میں بھی یہ سنا جا رہا تھا کہ مولوی فرقان کو کاشی میں بلایا جا رہا



[illegible] ان کی تقریر ہوئی......اس بات سے فضا اور یو۔ پی کی......یہ لوگوں کا پکا یقین تھا کہ مولوی فرقان کے آنے کا مطلب ہے......دنگا......ہندو مسلم فساد......ڈری ڈری، سہمی سہمی آنکھیں ہر راستے میں بچھی ہوئی تھیں......

سید وہاب الدین، امام پشاوری اور قاسم حسین یہ دارالسلطنت کے باشندے تھے......دارالسلطنت جہاں سے کوئی پتھر اُچھالو تو وہ پورے ملک میں برس جاتا ہے۔ امام پشاوری کو دارالسلطنت کی خاص شاہی مسجد میں امام ہونے کا فخر حاصل تھا۔ وہ خاندانی امام تھے......آنکھوں پر کالا چشمہ......کافی بڑا منہ......میانہ قد......کان کافی بڑے......سر پر سفید ٹوپی......چوڑے اتنے کہ پانچ صحت مند جوان شامل ہو جائیں تو ایک مولوی پشاوری کی برابری نہ کر سکیں......شاہی مسجد کے باہر جب امامت کے لئے مولوی پشاوری کی شاندار کار رکتی تو انہیں اُٹھانے کے لئے دو آدمی حاضر ہوتے......اور ان کے سہارے مولوی پشاوری شاہی مسجد کی چوڑی چوڑی سیڑھیاں پار کرتے......سیڑھیوں پر دکان لگائے بیٹھے لوگ تعظیم سے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ سیاہ چشمے کے اندر سے امام پشاوری کی آنکھیں اپنے چاہنے والوں کو دیکھ رہی ہوتیں — وہ شاہی انداز سے اپنے ہاتھ کو ہلا ہلا کر ان کے سلام کو قبول کرتے اور شاہی مسجد کے اندر اپنے خاص کمرے کی جانب روانہ ہو جاتے۔

اب وہ بوڑھے ہو چلے تھے اور ضروری ہو گیا تھا کہ یہ خاندانی امامت اب وہ اپنے بیٹے کے سپرد کر دیں......اکثر نماز کے دوران، خطبے میں امام پشاوری کی تقریر ملک کی سیاست کا بخیہ ادھیڑ کر رکھ دیتی......کہنے والے لاکھوں تھے کہ اللہ کے گھر میں ایسی دل جلانے والی تقریر کا کیا کام......؟ مگر امام پشاوری کے پاس مثالوں کی کمی نہیں تھی۔ وہ خلفاء راشدین کا حوالہ دیتے......اور بڑی آسانی سے یہ مہم سر کر لیتے کہ آج ضرورت ہے کہ ہم وقت کے دھارے میں بہیں اور ملک کی گھناؤنی

سیاست کو سمجھیں...... آخر میں وہ ایک شعر پڑھتے

'ابھی بھی سوئے رہے گر تو خود کو کھودو گے
ابھی بھی اپنی جبینوں میں تیس پاروں کی
وہ حق صدا تو کہیں بھی دکھائی دیتی نہیں
ابھی بھی خوف ہے ہستی کے روٹھ جانے کا
ابھی بھی غم ہے زمانے میں ٹوٹ جانے کا
کبھی جو چھاؤں تھی شمشیر اور ڈھالوں کی
وہاں بھی پڑھتے تھے کلمہ اُجالے موسم کا
اسی امید پہ گھر بار چھوڑ کر جانباز
یہ جنگ حق کی ہے لڑتے تھے جان دیتے تھے
شہید ہوتے تھے پرچم نہ گرنے دیتے تھے

ان کی لرزتی، کانپتی ہوئی آواز جب ہوا کے دوش پر لہراتی تو برادران اسلام میں جوش آجاتا۔ آواز گونجتی — زور سے کہو...... نعرہ اسلام اللہ ہو اکبر...... امام پشاوری ایک نظر مجمع پر ڈالے...... خوشی کی سانس لیتے...... اور منبر سے اتر جاتے...... وہ جانتے تھے کہ اس مقدس منبر میں یہ تاثیر ہے کہ یہاں سے وہ جو بھی کہتے ہیں — ملک کی آواز بن جاتی ہے...... پھر چند لوگ انہیں سہارا دیتے ہوئے ان کے خاص الخاص کمرے میں لے آتے جہاں شفاف اجلی چادر بچھی ہوتی — شفاف اُجلے غلاف والی گوتکیہ، چادر پر بچھی ہوئی — ایک چھوٹی سی لال قالین پر رکھی رہتی۔ وہاں سے ہو کر امام پشاوری اسی قالین پر اپنا آسن جما لیتے...... پھر جب تک رہتے ان سے ملنے والوں کا تانتا لگا رہتا۔

یہ سارے منظر احمد وکیل دلّی جا کر دیکھ چکے تھے۔ وہ کتنی ہی بار مسلم مسائل



اس حد تک جنونانہ نہیں ہوا تھا۔ وہ دارالسلطنت میں سب سے ملے۔ سید وہاب الدین سے۔ مولوی قاسم سے — جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وزیراعظم انہیں اگلے الیکشن میں ایم پی کا ٹکٹ بھی اپنی پارٹی کی طرف سے دلانے والے ہیں۔ ان کے اثر ورسوخ کو دیکھ کر احمد وکیل کی آنکھیں چوندھیا گئی تھیں...... کتنی پہنچ تھی ان لوگوں کی...... یہ لوگ ہر وقت لوگوں سے گھرے رہتے۔ فون کی گھنٹیاں ہر وقت گھنگھناتی رہتیں۔ پی اے میز پر رکھے دو دو ٹیلی فون کو ہر وقت دونوں ہاتھوں میں گھماتا پھراتا رہتا...... ہیلو...... ہولڈ آن ابھی بات کراتا ہوں...... ہولڈ آن پلیز...... یہ سچ مچ قوم کے خادم ہیں...... اُف۔ اتنی بھیڑ ہر روز ہی رہتی ہوگی۔ پھر وہ ان سب سے...... قوم کی خستہ حالی پر باتیں کرتے ہوں گے۔ حکومت کے سخت اور ناجائز رویے کو برداشت نہ کرنے کی قسم کھاتے ہوں گے —

جوش اور مستقبل کے خوبصورت احساس کے ساتھ مولوی احمد اپنے وطن لوٹ گئے...... اور ارادہ کر لیا...... وہ اپنے شہر بنارس سے اس مہم کو تیز کریں گے۔ بنارس دارالسلطنت سے دور ہی کتنا ہے — اور پھر مولوی فرقان، امام پشاوری، قاسم حسین کے راستے پر مولوی احمد چل پڑے...... اور صرف چل ہی نہیں پڑے بلکہ اب ان کی آواز بھی ملک میں گونجنے لگی تھی...... اب لوگ اپنے جلسے میں انہیں بلانے لگے تھے...... اور وہ جب تقریر کرنے کو کھڑے ہوتے تو لوگ اسی طرح ہمہ تن گوشہ ہو کر ان کی باتیں سنتے جیسے امام پشاوری اور وہاب الدین کی سنتے تھے — دوسرے دن اخبارات ان کی گھن گرج اور طوفانی باتوں سے بھرے ہوتے...... اور احمد وکیل کے، گھر میں بنے دفتر میں بے چارا اصفر علی ان خبروں کے تراشے کاٹ رہا ہوتا — اور بوڑھا سلمان بار بار جلد بازی کے چکر میں دیوار سے ٹکراتا ہوا خود پر

☆☆

دروازے پر کھڑے کھڑے وہ پھر اپنی دنیا میں لوٹ آئے۔ کچھ دیر پہلے صوفیہ کے ساتھ اس نوجوان کو بات کرتے دیکھ کر جو ناراضگی ان کے دل میں پیدا ہوتی تھی وہ اچانک ڈھل گئی...... بغیر ماں کی بچی — صوفیہ پر باپ کا پیار تیزی سے اُمڈ آیا...... نہیں — وہ کوئی تکلیف اپنی بچی کو نہیں دیں گے...... وہ آنکھیں اب بھی ان کی آنکھوں میں گھومتی ہیں...... زبیدہ کی آنکھیں...... کیسی عجیب چمک تھی...... شاید صوفیہ کی نگہبانی کرنے کو کہہ رہی ہوں...... وہ آخری مسکراہٹ......

تھکے تھکے قدموں سے وہ صوفیہ کے کمرے کی طرف بڑھے...... بوڑھے سلمان نے میز پر کھانا لگا دیا تھا...... وہ احمد وکیل کو دیکھ کر ایک انچ نیچے جھکا اور احترام سے بولا......

"صاحب کھانا تیار ہے"

تعظیم کے لئے وہ اتنا جھک گیا کہ احمد وکیل کو اچانک شک پیدا ہوا کہ کہیں بوڑھا زمین سے نہ ٹکرا جائے مگر نہیں...... وہ تھوڑا پیچھے ہٹ کر اب ان کے آنے کی راہ دیکھ رہا تھا......

اس گھر میں آنے کے بعد بوڑھے سلمان کے وارے نیارے ہوگئے تھے۔ اس سے پہلے وہ کچہری میں پیون تھا۔ ریٹائر ہونے کے بعد اسے اپنے لئے ایک جگہ تلاش کرنی تھی۔ کچہری میں اکثر سلمان سے احمد وکیل کا سابقہ پڑتا۔ وہاں بھی سلمان کے رنگ ڈھنگ نیارے تھے۔ اس کے بات کرنے کا انداز دوسرے چپراسیوں سے جدا تھا۔ اس کا سلیقہ، اس کا سر جھکا کر سلام کرنا، یہ ساری باتیں احمد وکیل کو پیاری معلوم ہوتی تھی۔ پھر ایک دن یہ راز کھلا کہ سلمان میاں کے



تھے...... اور سلطان کے احترام سے ہوتی ہوئی یہ روایت اب سلمان میاں کے خون میں شامل تھی...... وہ جوش میں بتاتے...... ہم نے سلطانوں کا نمک کھایا ہے...... ہمارا کیا مقابلہ...... ریٹائر ہونے کے بعد احمد وکیل انہیں اپنے یہاں لے آئے...... اور سلمان میاں بخوشی ان کے گھر کام کرنے کو تیار ہوگئے۔ اب وہ پورا گھر ہنسی خوشی سر پر اٹھائے رہتے ہیں — اور لپک لپک کر کام کرتے ہیں...... خاص کر ٹوپی والے لوگوں سے ان کو گہری عقیدت ہے۔ وہ صفدر علی کو بھی بہت بڑا آدمی تصور کرتے ہیں اور ان کے خیال سے احمد وکیل سے بڑا آدمی اس وقت پوری دنیا میں کوئی نہیں۔ اس لئے وہ ان کی تعظیم ویسے ہی کرتے جیسے ان کے آباواجداد سلطانوں کی کیا کرتے تھے......

سلمان میاں نے کھانا لگا دیا تھا۔ اب وہ احمد وکیل کے جواب کے منتظر تھے۔

"اچھا سلمان میاں — بس ابھی بٹیا کو لے کر حاضر ہوا۔"

سلمان میاں نے پھر سر جھکایا — تیز قدموں سے احمد وکیل صوفیہ کے کمرے میں داخل ہوگئے۔ وہ میز پر سر دیے سو رہی تھی۔ کتاب ایک طرف کھلی پڑی تھی۔ لیمپ روشن تھا۔ بیٹھ کر پڑھتے پڑھتے اچانک نیند آگئی ہوگی اور وہ میز پر سر رکھ کر نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

"بغیر ماں کی بچی......"

احمد میاں کو ترس آیا۔ وہ قریب گئے۔ صوفیہ کے سر پر پیار سے انگلیاں پھیریں...... اور محبت سے اس کے سر کو سینے سے لگا لیا...... صوفیہ نے اچانک آنکھیں کھول دیں...... ڈیڈی کو اچھے موڈ میں دیکھ کر وہ خوش ہوگئی تھی......

"ڈیڈی۔"

[illegible]
میں بھینچ لیا......

'آؤ بیٹی۔ سلمان میاں انتظار کر رہے ہیں۔ کھانا لگ چکا ہے......'

## (11)

اجودھیا

اجودھیا سلگ رہا تھا۔ آگ کی لپٹیں روشن تھیں — اور یہ لپٹیں اتنی اونچی تھیں کہ آسمان چھو گئی تھیں۔ ان لپٹوں کی زد میں اس وقت پورا ملک تھا — کاشی کے گلی کوچوں میں بھی اس کا اثر دیکھا جا سکتا تھا۔ صبح ہوتے ہی شنکھ بجنے کی آواز سنائی دیتی — پھر سڑکوں پر سادھو سنتوں کا 'جتھا' دکھائی دیتا — جو زور زور سے آواز لگاتا —

رام جنم بھومی کے لیے یگیہ کیجئے — یہ سونے کا سے نہیں ہے۔

پھر گھنٹوں کی آواز کے ساتھ جے شری رام کا نعرہ بلند ہوتا —

اجودھیا کے گلی کوچوں میں نفرت کا بازار گرم تھا۔ بابری مسجد، ایک گمنام عمارت نے فرقہ پرستی کی آگ روشن کر دی تھی اور یہ آگ اب تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی۔ دیکھا جائے تو ۱۹۴۹ء کے آغاز سے ہی اس معاملے نے طول پکڑنا شروع کیا تھا — آزادی اپنے ساتھ نفرت کی سوغات لے کر آئی تھی — مقامی مسلمان گھبرائے ہوئے تھے اور خوف میں جی رہے تھے۔ ضلع انتظامیہ سادھو سنتوں کی کارروائیوں کو روکنے میں ناکام رہی تھیں۔ پھر اچانک وہاں رام للا کی مورتی رکھ



دی گئی — فرقہ پرستی کا طوفان اور تیز ہو لیا۔ یہ طوفان اتنا بھیانک تھا کہ اس کی زد میں سارا ملک آ گیا — ۱۹۸۴ء میں رام جنم بھومی کمیٹی نے تالا کھولو تحریک شروع کی۔ اس تحریک کی رہنمائی وشو ہندو پریشد کر رہی تھی — آگ لگ چکی تھی —

اجودھیا سلگ رہا تھا اور اس کی زد میں اب کاشی کے گلی کوچے بھی آ گئے تھے —

انور پاشا نے ایک دن غصے میں جمع کی ہوئی ساری پوتھیوں کو آگ دکھا دی۔ یہ وہی وقت تھا جب کاشی کی فضا خراب ہو گئی تھی۔ برامدے میں پوتھیوں کے جلنے سے ایک عجیب سی بدبو پھیل گئی تھی۔ ہاتھ لرز رہے تھے —

تغلق پاشا نے انور پاشا کی طرف دیکھا — گھبرائی آواز میں پوچھا —

''تم تو اس کے سہارے گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں اپنا نام درج کرانا چاہتے تھے۔ کیا ہوا؟''

'فساد کی آگ میں خواب بھی جل گئے —'

انور پاشا رو رہے تھے۔ راشدہ کی آنکھیں نم تھیں — اور بی اماں پتھرائی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ ایک ارشد پاشا تھے جو برامدے تک آئے۔ پھر واپس لوٹ گئے۔

●●

فضا خراب ہو گئی تھی، کاشی بارود کے ڈھیر پر کھڑا تھا — انور پاشا، بسمتیا اور اسکے شرابی شوہر کو لے کر غصہ میں تھے — وہ چلا رہے تھے —

'نکال باہر کرو ان ہندوؤں کو — ان لوگوں نے جینا مشکل کر دیا ہے ہمارا —'

راشدہ سہمی ہوئی تھی — 'یہ ہندو کب سے ہو گئے — یہ تو ہمارے گھر کے فرد ہیں۔'

انور پاشا چیخے — 'یہاں اب کھانے کو نہیں ہے — اور ہاتھی پالے جا رہے ہیں۔ ابا حضور تغلق پاشا کی طرف دیکھتے ہوئے وہ زور سے چلائے' — یہ سب آپ نے شروع کیا ہے ابا حضور — آپ کے وقت تک تو یہ چل جائے گا — لیکن آگے نہیں چلے گا۔ نوابوں کا زمانہ چلا گیا — اب دگلوں کا زمانہ ہے۔ ہماری جان بچ جائے تو بچ جائے۔ مستقبل کا ٹھکانہ نہیں — پھر ان شرابیوں کو ٹھکانا کیوں دوں؟ ٹھکانا دیا تو کل یہ ہماری ٹوٹی حویلی پر بھی اپنا حق ٹھونک دیں گے — آپ کو اچھا لگے یا برا — لیکن اب ان شرابیوں کے لیے یہاں کوئی جگہ نہیں۔ اسلمو اکافی ہے باہر کے کام کے لیے —'

بسمتیا اپنے بچے کو لیے رو رہی تھی —

بی اماں کو آج آسمان میں کوے نظر نہیں آئے تھے — وہ درد سے تڑپ گئی تھیں —

'نکال باہر کرو گے تو کہاں جائیں گے یہ لوگ — چھوٹا سا بچہ ہے...... آواز آنسوؤں میں نہا گئی تھی۔'

انور پاشا زور سے چیخے — جہنم میں جائیں۔ ہم نے کوئی ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ سالوں نے جینا دوبھر کر دیا ہے۔ پورے ملک میں آگ لگی ہے۔ یہ لوگ ہماری مسجد کو توڑنا چاہتے ہیں اور آپ انہیں گھر میں رکھنا چاہتے ہیں — گھر سے باہر نکلئے تو دیکھیے ہر آنکھیں ہمیں شک سے دیکھتی ہیں جیسے ہم مسلمان نہیں ہوں کوئی اچھوت ہوں — سر پر ٹوپی پہنتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے۔ کرتا پائجامہ پہنتے ہوئے باہر نکلنے کی خواہش نہیں ہوتی۔ بنارس سادھو سنتوں کا گڑھ بن گیا ہے۔ اب اپنے خلاف اٹھتی ہوئی ان انگلیوں کو برداشت کرنا مشکل ہو گیا ہے —'

'یہ کہیں نہیں جائیں گے —' ارشد پاشا سیڑھیوں سے نیچے آ گئے تھے یہ



تمہارے لیے ہندو ہوں گے — میرے لیے اس گھر کے فرد — اور جتنا یہ گھر تمہارا ہے۔ اتنا ہی میرا بھی ہے۔ جتنا اس گھر پر تمہارا حق ہے اتنا ہی حق میرا بھی ہے — باہر آگ لگی ہے یہ میں بھی دیکھ رہا ہوں۔ لیکن چار لوگوں کے برے ہونے سے پوری قوم بری نہیں ہو جاتی۔ میرے ہندو دوست بھی ہیں۔ ایک تو تھاپڑ ہی ہے۔ یہ لوگ رام جنم بھومی کمیٹی اور نفرت پھیلانے والوں کو گالیاں دے رہے ہیں۔ فضا خراب ہے تو اس میں مسلمانوں کا بھی ہاتھ ہے — آئے دن دلی سے کوئی نہ کوئی مسلم لیڈر یہاں آ جاتا ہے — بابری مسجد پر روٹیاں سینکنے کے لیے اور یہاں کی فضا برباد کرنے کے لیے — میں نے کہہ دیا جسے جانا ہے جائے — بسمتیا نہیں جائے گی —

انور پاشا نے پلٹ کر غصے سے ارشد پاشا کی طرف دیکھا — پھر پاؤں پٹختے ہوئے اپنے کمرے میں لوٹ گئے —

ارشد پاشا سکتے میں تھے —

'ماحول نے نفرت کا کیسا بیج بو دیا ہے —'

ابا حضور تغلق پاشا کا دمہ اچھل گیا تھا — وہ چارپائی پر بیٹھ گئے —

منڈیر پر کوے آ کر بیٹھ گئے — بی اماں نے دیکھا مگر وہ خاموش رہیں —

☆☆

صوفیہ کا چہرہ زرد تھا — اس نے ارشد پاشا کی طرف دیکھا —

'تو تم انور کی وجہ سے پریشان ہو —؟'

'ہاں —'

'مگر نفرت کی یہ کہانی اس وقت ہر گھر میں دہرائی جا رہی ہے —'

'مسلمان مسجد دے کیوں نہیں دیتے — اس سے ایک مثال بھی قائم

ہوتی—'

'اب یہ سب اتنا آسان نہیں رہا— بچہ ٹھاکر، پون لال پھرانا، حلوائی اور خود امام پشاوری کے بیانات دیکھ لو— ایسا لگتا ہے جیسے اس ملک کے دو فرقوں کے درمیان کبھی محبت تھی ہی نہیں— اب تو صرف جنگ کی باتیں رہ گئی ہیں— ابا بھی بدل گئے ہیں— اور ان کے خیالات بھی— ایسا لگتا ہے جیسے وہ بھی اس سیاست کے شکار ہو گئے ہوں—'

صوفیہ کی آنکھوں میں محبت تھی— 'لیکن اس وقت ہم یہ تذکرے لے کر کیوں بیٹھ گئے— تم مجھے کچھ بتانے والے تھے......'

ارشد پاشا نے ایک نظر صوفیہ کی طرف دیکھا— پھر نگاہیں جھکا لیں—

'تمہارے لیے خود کو مضبوط کرنے کی ہر کارروائی سونے لگتی ہے......'

صوفیہ چونک گئی— ایسا کیوں—؟'

'نہیں جانتا— مگر اس گھر سے وحشت ہونے لگتی ہے— عمر کچھ کرنے کا تقاضا کرتی ہے تو خود کو تہی دست محسوس کرتا ہوں۔ کیا کر سکتا ہوں میں— تھاپڑ کہتا ہے۔ تم لکھ سکتے ہو— جرنلزم میں آ جاؤ— لیکن جرنلزم کے نام پر صرف اردو صحافت کا اندھیرا دکھائی دیتا ہے— انگریزی اچھی نہیں ہے— اردو اور ہندی جانتا ہوں—'

'تو ہندی صحافت......؟'

'وہاں کے لیے میرے پاس کوئی تجربہ نہیں— اور ویسے بھی اتنے سارے لوگوں کی بھیڑ میں مجھے جگہ کیوں ملے گی......؟'

ارشد پاشا کی آواز ڈوب رہی تھی— یہ سچ ہے کہ بیحد پیار کرتا ہوں تم سے— تم ہر لمحہ میری سانسوں میں رہتی ہو— لیکن پھر سوچتا ہوں، گھر کے اس



ویران حجرے میں [illegible] لاؤں— جہاں میرے پاس اپنے میرے مستقبل کا بھی ٹھکانہ نہیں— جہاں میں خود دو وقت کی روٹی کے لیے گھر کا محتاج ہوں— اور جب تمہیں ایک اچھی زندگی نہیں دے سکتا تو...... بس ٹوٹ جاتا ہوں— محبت جرم لگنے لگتی ہے......'

صوفیہ کے چہرے کے رنگ کئی بار بدلے— ارشد پاشا کی آنکھوں میں نمی دیکھنے کے باوجود اس کا چہرہ برف جیسا سرد ہو رہا تھا—

'کبھی کبھی تمہیں یہ سب اسکیپ نہیں لگتا......؟'

'اسکیپ؟'

'جیسے خود سے بھاگنا چاہتے ہو— جوان ہو— کچھ بھی کر سکتے ہو— محبت کرتے تو مجھے حاصل بھی کرنا چاہتے— کسی بھی قیمت پر— مگر ہر بار تم میں ایک کمزور مرد دیکھ کر ڈرنے لگی ہوں—

☆☆

اور یہی وقت تھا جب اجودھیا کی آگ پھیلتے پھیلتے ایک آسیبی کہانی کی گواہ بن گئی تھی—

## (12)

شہر سلگ رہا تھا— مندروں اور گھاٹوں کے شہر میں، دیکھنے والی آنکھوں میں نفرت کے جراثیم گھل گئے تھے— نعمان سیٹھ اور مولوی فرقان کی آمد نے بھی شہر کا سکون چھین لیا تھا— ایک زمانے میں کبھی یہاں کی محبت مشہور تھی۔ پرانے لوگ، پرانے دنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے سرد آہ بھرتے اور مندر مسجد کو کوسنے

لگتے —— مگر ایسے بھی لوگ تھے، اب جن کے سوچنے کا انداز بدل چکا تھا۔ جو اپنا ملک چاہتے تھے —— اور جو بھگوا رنگ ہی نہیں، بھگوا خیالوں میں بھی پوری طرح رنگ گئے تھے —— مدن پورہ اور دوسرے محلوں کے مسلمانوں میں خوف سرایت کر گیا تھا —— طرح طرح کی افواہیں گشت کر رہی تھیں —— ہندوؤں کے محلے میں اس طرح کی باتیں عام تھیں کہ قصائی بارے کے قصاب اپنی اپنی چھریاں تیز کر رہے ہیں، ہندوؤں کو اس بار بتا کے چھوڑیں گے۔ ادھر مسلمانوں کے محلے میں اس طرح کی باتیں پھیلنے میں دیر نہیں لگتیں کہ ہندوؤں نے راتوں رات جئے بج رنگ بلی کا نعرہ لگا کر مسلمانوں کے محلے میں حملہ بولنے کا ارادہ باندھ لیا ہے......

یہ باتیں کہاں سے اٹھتی ہیں، کون پھیلاتا ہے، مگر یہ باتیں اس طرح عام ہو جاتیں کہ ہر چہرے پر دہشت چھا جاتی اور ادھر مولوی فرقان اور نعمان سیٹھ کی آمد کی خبر نے بھی اچھی خاصی سنسنی پھیلا دی تھی۔

کاشی کے مدن پورہ محلے میں ہی گھر تھا مولوی احمد کا...... پکا گھر...... نیا گھر —— مولوی فرقان اور نعمان سیٹھ کے آنے کی بات اڑتے اڑتے مولوی احمد کے کانوں میں بھی پڑی تھی۔ ینگ مسلم فورم کی طرف سے ایک چھوٹی سی میٹنگ مولوی احمد کے گھر بلائی گئی۔ ارشد پاشا، بدر، شہر کی دوسری مساجد کے امام، حنفیہ مدرسہ کے مولوی صاحب اور صحافی کمرے میں آ چکے تھے۔ ملکی آواز، الہلال اور دوسرے لوکل اردو ہندی اخباروں کے نائب مدیر، مدیر اور رپورٹر بھی جمع تھے۔

حمد صاحب وکیل کے آنے سے قبل ہی کمرے میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔

"شہر کی فضا اچھی نہیں ہے۔ تناؤ کا ماحول ہے اور ایسے وقت میں نعمان سیٹھ اور مولوی فرقان کی آمد سے کچھ بھی ہو سکتا ہے......"



[illegible] اب خطرہ [illegible] ہیں۔ زیادہ تر لوگ ان انہیں سننے کے خواہش مند ہیں۔ خاص کر قصائی باڑے کے قصاب اور اس کلاس کے دوسرے لوگ...... شہر میں خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔"

ایک آواز یہ بھی تھی...... 'پڑھا لکھا طبقہ ان فساد دنگوں سے کافی دور بھاگتا ہے۔ یہ بات سیاسی رہنما بھی جانتے ہیں اور حکومت بھی۔ اس شخص نے بہت دھیرے سے کہا —— "سیدھے سادھے جاہل لوگوں میں ہی بستا ہے مذہب —— اور مذہب کا سہارا لے کر انہیں مزے سے اور آرام سے لڑایا جا سکتا ہے۔ حکومت انہیں لڑانے میں دلچسپی لیتی ہے اور اس نے مولوی فرقان جیسے لوگوں کو چھوٹ دے رکھی ہے۔ ارے میاں اس سے کم از کم آبادی تو گھٹتی ہے اور یہ تقریریں وغیرہ تو کہنے کی بات ہے۔ حکومت سید وہاب الدین، نعمان سیٹھ، مولوی فرقان، جیسے لوگوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہے۔"

ایک ہندی اخبار جن چیتنا کے سواو داتا نے بتایا...... 'سنا آپ لوگوں نے کل پانچ پیر کے قبرستان میں دنگا ہوتے ہوتے بچ گیا۔ آج کے جن چیتنا نے پوری رپورٹ دی ہے۔'

"معاملہ کیا تھا ——" ملکی آواز کے نائب مدیر نے پوچھا۔ یہ ہمیشہ اس طرح کی خبروں کو ہندی، انگریزی اخبار سے ترجمہ کر دوسرے دن دیا کرتے تھے۔ اصل میں یہ اتنے مصروف رہتے ہیں کہ انہیں فیلڈ ورک کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اس لئے یہ بہتر یہی سمجھتے تھے کہ ان خبروں کو دوسرے دن ترجمہ کر کے اردو میں چھاپ لیں۔ اس سے فرق ہی کیا پڑتا ہے۔ سارے اخبارات یہی کرتے ہیں۔ اس لئے میاں قدوس مطمئن تھے —— لیکن اس سنسنی خیز خبر کو جاننے کے لئے ان کے اندر تجسس کی کمی نہیں تھی۔ تاکہ وہ اس خبر کو اخبار کے پہلے ہی صفحہ پر ہنگامی سرخی کے

ساتھ دے سکیں۔ یوں ان کا اخبار سرکاری اخبار تھا — اس لئے [illegible] کو
دینے کی اجازت تو نہ تھی مگر خبر اچھی تھی اس لئے اس خبر کو پہلے صفحہ کے چوتھائی حصہ
میں بخوبی دیا جا سکتا تھا۔

جن چیتنا کے سوادداتا نے آگے بتایا...... 'دودھ کٹورا میں یہ قبرستان ہے
جو پانچ پیروں کے نام ہے۔ کہتے ہیں یہاں پانچ پیروں کی مزارتھی۔ لاوارث
لاشیں آج بھی وہاں دفن کی جاتی ہیں...... یہ قبرستان مسلم لاوارث لاشوں کو دفنانے
کے لئے ہی ہے۔ لیکن کچھ دنوں سے راشٹریہ سویم سیوک سنگھ والوں نے اس زمین
پر ایک نیا وواد کھڑا کر دیا ہے کہ یہ پانچ پیر نہیں بلکہ پانچ ویر ہیں — اور اس جگہ کو
ہندوؤں کو سونپ دیا جائے۔ معاملہ اس سمے آگے بڑھا — کل دوپہر کے وقت —
جب ایک لاوارث بڑھیا کو دفنانے کے لئے پانچ چھ مسلمان جنازہ لئے اس
قبرستان میں آئے تو راشٹریہ سویم سیوک سنگھ کے چند لوگوں نے انہیں قبرستان سے
باہر ہی روک دیا اور کہا کہ وہ اسے دفنانے نہیں دیں گے۔ دودھ کٹورا مسلمانوں کا
علاقہ ہے۔ لیکن اس کے بعد والا محلہ بھلی پورا ہندو آبادی پر مشتمل ہے۔ جنازہ
دفنانے آئے لوگوں نے جنازہ وہیں چھوڑ دیا اور بولتے بکتے وہاں سے چلے گئے۔
ہنگامے کا مورچہ تیار تھا۔ لیکن اس سے پہلے ہی کسی نے ڈی ایم کو محلے میں پھیلنے
والے تناؤ کی خبر دے دی اور اس سے پہلے کہ وہاں حالات نازک ہو جاتے، ڈی
ایم دو پولیس جیپ کے ہمراہ خود ہی معاملہ کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے وہاں پہنچ گئے
اور اپنے سامنے لاش دفنانے کی اجازت دی۔ اس طرح معاملہ رفع دفع ہوا۔''

جن چیتنا سنوادداتا نے ٹھنڈی سانس کھینچی۔ 'لیکن بندھو۔ تناؤ اب بھی
ہے۔ کلیلی پورا کے ہندوؤں میں آسنتوش گھر کر گیا ہے اور ادھر دودھ کٹورا کے
مسلمان بھی بھلی پورا کے ہندوؤں کے اس رویے پر کافی ناراض ہیں۔'



نہیں وہ اس واقعہ کی تفصیل لکھ رہا تھا یا کچھ اور — لیکن الہلال والے اسے غور سے
دیکھ رہے تھے اور قدوس میاں کی دیکھا دیکھی وہ بھی اس کی نقل پر اتر آئے تھے۔
اب یہ اردو اخبار کے رپورٹر اپنی نوٹ بک میں کچھ نہ کچھ لکھتے ہوئے کافی مصروف
نظر آرہے تھے۔

اور ادھر ڈرائنگ روم کے ایک گوشے میں مولوی احمد اور صفدر علی سنجیدگی
سے گفتگو میں مصروف تھے۔ مولوی احمد نے کرتا، پائجامہ اور صدری پہن رکھا تھا۔
آنکھوں میں سرمہ بھی لگا تھا۔ پیشانی پر سجدے کی وجہ سے سیاہ نشان پڑ گیا تھا —
سیاہ نشان — اور جس کے بارے میں مشہور ہے کہ قیامت کے روز جس کی پیشانی
پر یہ داغ ہوگا اُس دن یہ داغ نور کی طرح چمک رہا ہوگا۔ خلاف معمول آج صفدر
علی بھی اُجلے کرتے پائجامے میں تھا۔ اس کا رنگ گورا تھا۔ ناک ذرا موٹی تھی —
جب بھی سنجیدہ ہونے کی کوشش کرتا تب تب وہ تھوڑا بیوقوف نظر آتا — مگر اب وہ
بھی رفتہ رفتہ سیاسی اُتار چڑھاؤ سے واقف ہوتا جا رہا تھا۔

''وہاں سب انتظار کر رہے ہیں۔'' صفدر علی آہستہ سے بولا۔

''تو طے کر لیا۔ مجاہد کی بات ابھی چھیڑنے کی ضرورت نہیں۔ مگر میاں کل
اس مخالفت کے تذکرے اخباروں میں جم کر ہوں گے۔''

''بس نبض پکڑ لی حضور آپ نے۔ ایک مختصر سی جوشیلی تقریر ہو جائے آپ
کی۔ بس مزہ آجائے۔''

خوب کہی بھائی۔ واہ میاں۔ بس ساری بات سوچ لی ہے — میرے
خیال میں تم آگے چلو۔ پیچھے میں پہنچتا ہوں۔''

صفدر علی نے دالان میں آکر مولوی احمد کے آنے کی اطلاع دی — اس

[illegible] سے پہلے ہی [illegible] سلمان دروازے پر [illegible]
ایک بار پھر وہ دروازے سے ٹکراتے ٹکراتے بچا۔

معاف کرنا، معاف کرنا...... اللہ بھلا کرے آپ لوگوں کا"...... سلمان میاں بڑبڑا رہے تھے...... آپ لوگ قوم کی خدمت کر رہے ہیں۔ اپنی چھوٹی چھوٹی سفید ہلکی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سلمان میاں بولے۔ طشت میز پر رکھ دیا۔ اب وہ پریشان پریشان سے اگلے حکم کے منتظر نظر آ رہے تھے۔

'سلمان میاں آپ جائیے۔ جب ضرورت ہوگی ہم بلالیں گے۔' صفدر علی بولے اور سلمان میاں اچھا صاحب کہہ کر دروازے سے نکل گئے۔ مگر جاتے ہوئے ایک بار پھر دروازے سے ٹکرانا نہیں بھولے۔ جن چتیا کا سنواددا تا گیان چند ہنس پڑا۔ تبھی مولوی احمد نے قدم رکھا۔ سنجیدہ چہرے بنائے۔ انہوں نے سب سے ہاتھ ملایا— خیریت پوچھی...... کسی سے ایک دو باتیں کیں اور پھر اپنے موضوع پر آ گئے۔

"ایسے موقع پر جب شہر میں تناؤ ہے مولوی فرقان اور نعمان سیٹھ کے اس قدم کی ہم مذمت کرتے ہیں اور حکومت سے درخواست کرتے ہیں کہ انہیں روکا جائے ورنہ اس کے نتائج خطرناک ہوں گے......'

انہوں نے صفدر علی کو آنکھوں آنکھوں اشارہ کیا کہ وہ آج کی تقریر کی کاپیاں جو پہلے سے ہی اس نے تیار کر رکھی ہیں، ان کے درمیان تقسیم کر دیں۔ صفدر علی نے اشارہ کا مطلب سمجھتے ہوئے تقریر کی کاپی رپورٹر اور سنواددا تاؤں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ جن میں موٹی موٹی بات یہ درج تھی کہ احمد وکیل خود بھی بابری مسجد معاملے کا حل چاہتے ہیں مگر یہ حل دونوں فرقوں کو لڑا کر دنگے کرا کر نہیں، بلکہ پُرسکون طریقے سے چاہتے ہیں۔ یہ دونوں فریقین کو سوچنا ہے کہ اس کا مناسب حل کیا ہوگا۔ وہ نیک مسلم فورم کی جانب سے۔ اپنی قوم کے لوگوں سے



احمد وکیل کو یقین تھا کہ ان کی بات پر مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ ان کی مخالفت پر اتر آئے گا۔ اس لئے کہ یہ طبقہ سید وہاب الدین، امام قریشی، مولوی فرقان کی باتوں پر جان قربان کر دینے کے لئے تیار تھا۔

مگر احمد وکیل کو اپنی تقریر کا فائدہ ہندی انگریزی اخباروں میں ملتا۔ وہ اس دوستانہ حل کا خیر مقدم کرتے اور اس طرح ملک کا ایک بڑا دانشور طبقہ احمد وکیل کے خیمے میں سمٹ آتا۔ وہ پُر امید تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی آواز کو قدرے بھاری بناتے ہوئے کہا:

"ہم حکومت سے بھی درخواست کرتے ہیں کہ وہ دوستانہ سطح پر اس کا ایسا حل ڈھونڈے، جو سب کو پسند ہو۔"

بیٹھے ہوئے اردو کے صحافیوں نے اس کی تائید کی جبکہ ہندی کے سنواددا تا سر جھکائے کچھ سوچنے میں مصروف رہے۔ جن چیتنا والے نے اپنے پریس فوٹوگرافر کو اشارہ کیا۔ احمد علی کھڑے ہو گئے۔ اس نے دو چار پوز میں ان کی تصویر لے لی۔ میٹنگ کافی دیر تک چلتی رہی۔ اس درمیان چائے بھی اور ہلکا پھلکا ناشتہ بھی چلا۔ فیصلہ ہوا کہ وطن آج خطرے میں پڑ گیا ہے— انگریزوں نے پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی جو پالیسی اپنائی تھی، اس کی آگ میں آج بھی ہندوستان جل رہا ہے۔ معصوم ہندو اور مسلمان آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ان سب میں حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرنا ہے اور اتحاد کی طاقت پر زور دینا ہے...... میٹنگ ختم ہو گئی۔

سنواددا تا، صحافی سب رخصت ہو گئے۔ دفتر میں اکیلے بچ گئے مولوی احمد اور صفدر علی۔ کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے۔ صوفیہ نے جھانک کر دیکھا۔ جب

ہوئی۔ اس کی آہٹ سے مولوی احمد چونک گئے اور صفدر علی کی آنکھوں میں رونق کی کرن پیدا ہوگئی تھی۔

"آؤ بیٹی۔"

صوفے کے ایک طرف اکتائی سی صوفیہ بیٹھ گئی۔ وہ تھکی تھکی سی نظر آرہی تھی۔

"کیا بات ہے بیٹی؟ خاموش ہو۔"

صوفیہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ اچانک پلٹ کر بولی

"یہ سب کیا تھا ڈیڈی؟"

"کیا مطلب بیٹی؟"

احمد وکیل چونک گئے تھے —

"یہ...... ؟ یہ جواب یہاں اکثر ہوتا ہے...... یہ کیا ہے؟ اس سے کیا ہوگا۔ اس سے کیا ہوسکتا ہے......؟"

"یہ سب میں اپنی قوم کی بھلائی کے لئے کررہا ہوں بیٹی۔"

"ڈیڈی آپ ناراض نہ ہوں تو کہوں۔ اب مجھے یہ سب کچھ ایک تماشہ لگتا ہے۔ اپنی قوم، اپنی ذات، یہ کیا ہوتا ہے ڈیڈی...... یہ بھی ایک طرح کی کا ڈھونگ ہے...... بیوقوف بنانا...... مجمع لگانا...... ایسی باتیں کرنا، جو عمل سے کوسوں دور ہیں — جو ممکن نہیں ہے...... ملک کے سارے جوکر تو یہ تماشا کر ہی رہے ہیں پھر آپ......؟"

وہ بولتی گئی...... احمد میاں اس کا منہ دیکھتے رہ گئے......

"مجھے اب ان باتوں سے گھٹن ہونے لگتی ہے ڈیڈی۔ اکتاہٹ......"

صوفیہ اتنا کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔



پوچھا۔

"میں جاؤں۔"

"جاؤ تم...... جاسکتے ہو...... احمد وکیل نے بے نیازی سے کہا۔ پھر گہری فکر میں ڈوب گئے۔

صفدر علی گیٹ کھول کر جاچکا تھا۔

## (13)

اس دن شہر بند تھا۔ تمام دکانیں بند۔ سڑکوں پر ویرانی چھائی تھی۔ ہوکا عالم۔ پولیس جیپ کے سائرن کی گونج کبھی کبھی سنائی دے جاتی۔ جو مستقل پورے شہر میں گشت کرتی چل رہی تھی۔ ایک دن پہلے شہر کے مشرقی علاقے میں چھرا مارنے کی واردات ہوئی۔ یہ علاقہ قصاب باڑے کے پاس ہی پڑتا ہے۔ وہاں ایک چھوٹے سے ڈھابے میں دوپہر کے کھانے کے دوران ہی یہ واقعہ ہوا تھا۔ شہر کی فضا تو پہلے سے بگڑی ہوئی تھی اس دن کی واردات کے بعد اور بھی زیادہ بگڑ گئی۔ کہتے ہیں کھانے کے دوران رام چندر نام کا ایک آدمی جس نے نشہ کررکھا تھا، اس نے مسلمانوں کو جی بھر کر گالی دینا شروع کردیا کہ سارے مسلمان غدار ہیں۔ اس کے پاس ہی کھانا کھارہے عبدالقیوم نام کے ایک آدمی نے پہلے رام چندر کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ ہوش میں رہے۔ جب وہ نہیں مانا تو ڈھابے میں چولہے کے پاس پڑی چھری لے کر اس نے رام چندر کے پیٹ میں اتار دیا اور فوراً ہی جائے واردات سے فرار ہوگیا۔ عبدالقیوم ڈھابے کے قریب ہی ایک کتاب کی بڑی سی

رام چندر کو فوراً ہی اسپتال میں بھرتی کیا گیا۔ زخم گہرا نہیں تھا اس لئے اس کی جان بچ گئی۔ مگر اس واقعے نے پھیلتے پھیلتے دہشت کی صورت اختیار کرلی۔ دکانیں بند ہوگئیں۔ ادھر قصاب باڑے میں چھرا، بھالے، گنڈا سے نکلنے لگے تو آس پاس کے علاقے کے ہندوؤں میں بھی زبردست گرمی پھیل گئی۔ اس سے قبل کہ یہ گرما گرمی دنگے اور فساد کی صورت اختیار کرلے، معاملے کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے شہر میں ایک دن کا کرفیو لگا دیا گیا...... دکانیں بند ہوگئیں۔ شہر میں سناٹا چھا گیا۔ رات گئے شہر میں ویرانی پسری رہی۔

دوسرے دن کرفیو ہٹالیا گیا...... لیکن پولیس جیپ ہر نکڑ پر کھڑی تھی...... دہشت بدستور تھی۔ لوگ خائف تھے۔ بچے آج اسکول نہیں گئے۔ دفتر بھی بند رہے— دوسرے دن رکشہ چالکوں نے ہڑتال کردی۔ اس ہڑتال کی وجہ صاف تھی۔ ایک رکشہ چالک کو زخمی کرنے کے خلاف یہ ان کا احتجاجی عمل تھا— اس دن رکشہ چالکوں کے جلوس نکلنے کا بھی پروگرام تھا۔ لیکن پولیس نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ شہر کی فضا کو دیکھتے ہوئے ہی یہ قدم اٹھایا گیا تھا۔ رکشہ چالکوں میں بھی دو گروہ ہوگیا تھا۔ ایک طرف تو مسلمان رکشہ چالک تھے جو اس ہڑتال کے خلاف تھے— اور جنہوں نے رکشے، سواریوں کے لئے نکالنے چاہے مگر دوسرے رکشہ چالکوں نے ہنگامہ کرکے ان کی اسپیٹی کھول دی اور مسافر اتار لیے۔ اس طرح اس دن بھی شہر کے مختلف علاقوں سے کچھ نہ کچھ ہنگاموں کی خبریں آتی رہیں۔ شام سے صبح پانچ بجے تک کے لئے ایک بار پھر کرفیو لگا دیا گیا۔

تین چار دن اور گزرے۔ اس درمیان ملک کے مختلف علاقوں سے چھٹ پٹ دنگے اور فساد کی خبریں اخبار کی سرخیوں میں جگہ گھیر چکی تھیں۔



اب یہی مسئلہ رہ گیا تھا اور اس الجھتے ہوئے مسئلہ کو دیکھ کر حکومت بے بس اور لاچار بنی ہوئی تھی۔ پریس چیخ رہا تھا— عوام میں دہشت طاری تھی مگر حکومت جیسے بے نیاز ہوکر رہ گئی تھی...... یہ کیا ہو رہا ہے...... کیا ہوگا۔ مٹھی بھر سکھ آتنک وادیوں میں جب اتنی دہشت برپا کرنے کا حوصلہ تھا تو پھر اس آگ کو محسوس کرتا ہوا مسلم بچہ بچہ جب آتنک واد پر اتر آئے گا تو......؟ یہ ایسا سوال تھا جو بہت سارے ہونٹوں پر سلگ رہا تھا۔

دفتر کھل گئے تھے...... شہر کے آسمان سے سیاہ بادل چھٹ گئے۔ پہلے کرفیو میں ڈھیل دی گئی۔ پھر کرفیو ہٹ گیا۔ حالات معمول پر تھے۔ یوں چھٹ پٹ واقعات اور خبریں ادھر اُدھر سے آتی رہیں مگر اب شہر سکون سے تھا۔ ملک کے مختلف شہروں میں گو اب بھی دنگے بھڑک رہے تھے اور ہر روز کا اخبار ایسی کسی نہ کسی دہشت بھری خبر کو لے کر سامنے ہوتا۔ مگر کاشی میں امن لوٹ آیا تھا......

☆☆

بڑے میاں آج کئی روز بعد آفس آئے تھے...... تغلق پاشا کے چہرے پر آسانی سے ڈر اور وحشت کے ملے جلے رنگوں کو محسوس کیا جاسکتا تھا۔ ان کے کلیگ نرل نے پوچھا—

''بڑے بابو! سنا ہے اب آپ بھی آتنک وادی ہوگئے ہیں......''

''کیا......؟'' تغلق پاشا چونک گئے تھے۔

مہتہ نے کان سے ہاتھ ہٹا کر زبردست قہقہہ اچھالا...... دوسرے پاکستان کی تیاری تو نہیں چل رہی ہے بڑے بابو—؟''

تغلق پاشا نے گھور کر نرل اور مہتہ کو دیکھا...... ایسی آنکھوں سے کہ دونوں

پاکستان بنواؤ گے مہتہ اور نزل......؟ ایک پاکستان سے جی نہیں بھرا۔ ایک پاکستان کا درد کم ہے جو دوسرا بنوا دو گے۔ ایک قائداعظم بن گیا اور مسلمانوں کی تاریخ کو گندہ کر گیا اور وہ شاعر مشرق...... اتنے بڑے علامہ کے ذہن میں کیسے پاکستان کا فتور آ گیا۔ سب کچھ تو لٹ گیا بچو...... جب اپنا خون، اپنا بھائی، خون کا رشتہ بھلا کر پاکستان چلا گیا۔ دل کے ٹکڑے ہو گئے...... کچھ دوسری باتیں کرو مگر پاکستان کا زخم نہ کریدو۔'

''آپ برا مان گئے بڑے بابو۔'' مہتہ کرسی سے اُٹھ کر قریب آ گیا۔

نزل کو افسوس ہوا...... 'بڑے بابو معاف کرنا...... آپ پتاجی کے سمان ہیں...... کبھی کبھی...... مذاق کی خواہش ہو جاتی ہے...... آج کتنے دنوں بعد دفتر کھلا ہے...... ان بندوں سے، ہڑتالوں سے اور روز روز کے دنگوں سے اب تکان اور اکتائی آنے لگی ہے...... ان سیاسی رہنماؤں کو جوتے نکال کر مارنے کی خواہش ہوتی ہے۔ اب دیکھیے نا — ہم میں، آپ میں فرق کیا ہے؟ آپ ہمیں اپنوں کی طرح سمجھتے ہیں۔ کیا نہیں —؟''

''ہاں —'' بڑے بابو کی آنکھوں میں آنسو کے موٹے قطرے ڈھلک گئے تھے......

سعید میاں نے جو یہ نظارہ دیکھا تو دوڑ کر گلاس میں پانی لے آیا۔ 'لو بڑے بابو۔ تم ناحق جی دکھاتے ہو...... ذرا سی بات پر یہ حال — آپ کو بلڈ پریشر ہو گیا ہے۔ علاج کیوں نہیں کراتے۔'

سعید میاں یوں تو دفتر کے پرانے چپراسی تھے مگر اتنے پرانے تھے کہ سب ان کی تعظیم کرتے تھے......



کبھی تو اب جینے کی خواہش نہیں ہوتی...... یہ روز روز کے دنگے فساد...... ہمارے بیٹے ابھی نوجوان ہیں۔ خدا خیر کرے۔ نئی نسل دنگے اور فساد کی خوراک لے رہی ہے — جانے اس نسل کا کیا ہوگا۔ پورے ملک میں آگ لگی ہے میاں اور ہر پل یہاں ایک خوف اندر بنا رہتا ہے۔ کب کیا ہو جائے۔''

مہتہ پھر اپنی سیٹ پر چلا گیا تھا کھٹ کھٹ کی آواز پھر گونجنے لگی تھی۔ نزل فائلوں میں مشغول ہو گیا۔

ذرا ٹھہر کر مہتہ پھر بولا۔ ''نئی نسل کے زیادہ تر بچے مذہب نہیں مانتے۔ خود میرے گھر میں...... میرا چھوٹا بھائی...... میری بڑی بہن کا لڑکا...... اور بھی کتنے...... نوجوان لڑکے لڑکیاں...... سب ریلی جن کے خلاف ہیں...... میرے خیال میں وہ صحیح سوچ رہے ہیں۔ آج مذہب صرف دنگے اور فساد کی چیز بن گیا ہے۔ مذہب امن شانتی اور بھائی چارگی نہیں سکھاتا — دوسری قوم کے لوگوں کو کافر کہنا سکھاتا ہے...... مجھے بھی دھرم سے نفرت ہو گئی ہے......''

تغلق پاشا نے چشمہ ٹھیک کیا۔ نظر اُٹھا کر غور سے مہتہ کی طرف دیکھا...... کچھ بولے نہیں...... نظر پھر جھکا لی...... تب تک سعید میاں کمرے میں آ گئے تھے...... گھڑی دیکھتے ہوئے بڑے میاں سے بولے......

''بڑے میاں ناراض نہیں ہو تو کہوں۔ آپ سٹھیا گئے ہو...... کچھ ہوش بھی ہے۔ کون سا دن ہے آج...... میاں جمعہ ہے۔ ایک بج گئے۔ نماز نہیں پڑھنا کیا۔ سلطانی مسجد میں ڈیڑھ بجے نماز ہے۔ میں تو چلا۔

''آج جمعہ ہے —؟''

تغلق پاشا چونکے...... اُف — یادداشت کتنی کمزور ہو گئی۔ جمعہ بھی یاد

نہیں رہا۔ وقت آہستہ آہستہ سب کچھ چھین رہا ہے۔ حافظ [illegible]
رہا۔ کیسا وقت آ گیا خدایا...... فائل ایک طرف رکھی۔ سعید میاں کو آواز لگائی......

''سعید میاں ذرا ٹھہر جایئے۔ میں بھی چلا۔''

☆☆

جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر جب تغلق پاشا دفتر آئے تو وہاں کا ماحول ہی اور تھا۔ مہتہ زحل اور دوسرے اسٹاف ایک دوسرے کو گھیر کر بیٹھے ہوئے تھے۔ بڑے میاں اور سعید میاں کو آتا دیکھ کر زحل اور مہتہ نے ان کی میز خالی کر دی مگر اپنے چہرے سے خوف کی گرد کو صاف نہیں کر سکے۔

''کیوں میاں — کیا بات ہے؟'' تغلق پاشا دھیرے سے بولے۔

''ابھی ابھی رامو خبر لایا ہے کہ پچھم پورا میں گولی چل گئی۔ ایک ہندو مارا گیا ہے......'' زحل کی آواز میں خوف ہی خوف بھرا تھا۔

''پھر کرفیو لگ جائے گا۔''

''بڑے میاں بہتر ہوگا۔ آپ فوراً ٹیمپو یا تھری وہیلر کر کے اپنے گھر چلے جایئے۔ زمانہ نازک ہے بڑے میاں اور میری صلاح ہے...... اگر یہ بات سچ ہے تو......' وہ آہستہ سے بولا جیسے یہ بات کہتے ہوئے ڈر سا محسوس ہو رہا ہو...... 'ہندو مارا گیا ہے...... کون — ؟ ہندو مارا گیا ہے...... اس نے اس لفظ پر زور دیا...... اس لئے برائے مہربانی بڑے میاں آپ اپنی ٹوپی کو......'

اس نے غور سے بڑے میاں کو دیکھا اور بڑے میاں نے جھک کر ٹوپی سر سے اُتار کر جیب میں ڈال دی۔

'کوئی فائدہ نہیں۔ مہتہ نے ٹھٹھول کیا۔ 'بڑے میاں ٹوپی اتار کر بھی پورے مسلمان نظر آتے ہیں۔'



[illegible]
تغلق پاشا آہستہ سے بولے...... سعید میاں تم بھی میرے ساتھ ہو، تمہیں تمہارے گھر تک چھوڑ دوں گا۔''

''کیا میاں — آپ چلو — جو قسمت میں لکھا ہے وہ تو ہو کے رہے گا'' سعید میاں کی آواز میں درد تھا — ٹوپی تو جیتے جی میرے سر سے نہیں اترے گی میاں — اب موت کا حال نہیں جانتا......''

تغلق پاشا تیزی سے باہر آئے — دکانیں ابھی کھلی تھیں۔ مگر کچھ دکانیں بند ہو گئی تھیں۔ جاتے ہوئے تھری وہیلر کو روک کر وہ اس میں سوار ہو گئے محلے کا نام بتایا اور تھری وہیلر چل پڑا۔ شہر میں اس واردات کی خبر آ چکی تھی۔ دکانوں کے شٹر گر رہے تھے۔ چائے اور پان کی دکانوں پر لوگوں کا مجمع تھا۔ تغلق پاشا کا دل ڈر رہا تھا۔ اللہ اللہ خیر اللہ۔ تھری وہیلر ان کے دروازے پر رکا — جب تک پیسے دے کر وہ گھر میں نہیں آ گئے۔ دل ڈرتا رہا۔ تین بج گئے تھے۔ پتہ نہیں لڑکے آئے یا نہیں — مگر گھر میں انور پاشا اور ارشد پاشا دونوں کو دیکھ کر انہوں نے سکون کی سانس لی۔

''دروازہ بند کر دو۔'' انہوں نے انور پاشا سے لمبی لمبی سانسوں کے دوران کہا۔ سانس تیز تیز چل رہی تھی — 'شہر میں پھر ہنگامہ ہو گیا ہے — تم لوگ کہیں مت جانا — گھر میں ہی رہنا۔''

ارشد پاشا کھڑکی سے باہر دیکھتے رہے۔

''کھڑکی بند کر دو۔'' تغلق پاشا تیز آواز میں بولا۔

اسی لمحے بی اماں تیز تیز چلتی ہوئی کمرے میں آ گئیں — وہ پریشان سی تھی۔ ان کی سانس پھول رہی تھی —

"آسمان پر آج پھر گدھ دکھائی دے رہا ہے [illegible] جہاں سے یہ نحوست چلی آتی ہے۔ یقین کرو ایک بڑا سیاہ گدھ — جو اپنے پر پھیلائے اڑتا جاتا تھا...... یہ کیسا برا وقت آ گیا ہے۔ قیامت آنے والی ہے قیامت۔"

"قیامت آ گئی بیگم۔" بڑے میاں کی آواز گونجی۔

بی اماں نے جیسے یہ سنا ہی نہیں۔ "ہاں میں تو پوچھنا ہی بھول گئی۔ آج کئی دنوں بعد آفس گئے۔ پھر اتنی جلد لوٹ آئے۔ کیوں خیریت تو ہے میاں یا خدا نخواستہ —؟"

"ہاں بیگم۔ ابھی آگ بجھی نہیں ہے۔ آگ پھر بھڑک اٹھی۔"

"خدا خیر کرے۔"

بی اماں دھب سے سیڑھیوں پر بیٹھ گئیں...... نوج میں کہتی نہ تھی — گدھ دیکھا ہے۔ کافی بڑا سا گدھ...... اپنے پر کو پھیلائے...... آسمان میں اڑتا جاتا تھا۔'

'نیچے تو نہیں اتر رہا تھا۔" انور پاشا سے رہا نہیں گیا۔

'چپ — 'بی اماں نے آنکھ دکھائی —

'کیوں بلا وجہ اماں کو پریشان کر رہے ہو؟ ارشد پاشا بولے —

انور پاشا کی تیوریاں چڑھ گئی تھیں۔ آنکھیں جلنے لگی تھیں۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کی طرح لڑکیوں کے ساتھ گھومتا تو نہیں۔ اب بولنے پر بھی پابندی —" اس نے غصے سے کہا۔

ارشد پاشا کو غصہ آ گیا تھا۔ 'بکواس نہیں کرو۔ تمیز سیکھو — میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔"

"میں آپ کے معاملے میں ٹانگ نہیں اڑاتا ہوں۔ اس لئے مہربانی



[illegible] ہے۔

اتنا کہہ کر وہ پھر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ کمرے میں اچانک پر اسراری خاموشی چھا گئی۔

ارشد پاشا بھی ٹھہرے نہیں — فوراً وہاں سے نکل گئے —

"خدا خیر کرے۔" تغلق پاشا نے سر پکڑ لیا۔ "پرانی قدریں آہستہ آہستہ ختم ہوتی جا رہی ہیں بیگم۔ صاحبزادے لڑکیوں سے میل جول رکھنے لگے ہیں — اور دو بھائیوں میں اس طرح کے مکالمے — ایک تاجور بھی تھا — کیا مجال کہ کبھی...... "

آنکھوں میں آنسو آ گئے...... بی اماں حیران سی اپنے بھاری بھرکم وجود کو سنبھالے وہیں پڑی رہیں۔ باورچی خانے سے کھٹ پٹ کی آواز آ رہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد بسمتیا کی آواز ابھری —

"اماں چائے پئی ہے......؟"

"اماں پھر اپنے فارم میں لوٹ آئی تھیں...... "کم بخت چائے کو پوچھتی ہے۔ کافر کی بچی — یہ ہندو پورے ملک کا ستیاناس کر کے چھوڑیں گے۔ کافر کیا جانیں ملک چلانا...... ملک چلانا تو بس مسلمان بادشاہ ہی جانتے تھے۔

"اس لئے ملک کو انگریزوں کے ہاتھ بیچ دیا۔" بڑے میاں نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "ان سے تو یہ کافر بھلے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ یہ روز روز کے دنگے۔ فساد۔" بی اماں نے ہانک لگائی...... "او بسمتیا کم بخت سنتی ہی نہیں ہے...... ارے وہ کہاں ہے گونگا سلطان۔"

اس لقب پر وہ جی کھول کر ہنسیں...... پھر میاں کی طرف دیکھ کر بولی...... تمہارا بھی کمال ہے — کیسے کیسے انمول خزانے ڈھونڈھ کر جمع کر لیتے ہو۔ اب تو میں اسے

اسی نام سے پکاروں گی...... او گونگا سلطان......" [illegible] جب گونگا سلطان سامنے
آیا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک جوتا پکڑا ہوا تھا۔

"آں...... آں" اسلم نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے جوتے کی طرف اشارہ کیا۔

"لو جوتا لے کر آ گیا۔" بی اماں ہنسیں...... اچھا جوتے پر پالش کر رہا تھا؟ کس کا جوتا ہے......؟"

"آں آں۔" اسلم نے اشارے سے بتایا......

"او ہو سمجھی۔ انور پاشا کا —؟"

"ہاں۔" اسلم خوش تھا......

"اچھا جا...... بسمتیا چائے بنا رہی ہے...... چائے لے آ......" بی اماں تیز آواز میں بولی۔ گونگا کھڑا رہا......

اس بار بی اماں ڈپٹ کر بولیں...... 'بہرا کہیں کا۔ جا چائے لے کر آ جا۔ خدا ہی سمجھے تجھ کو۔ کمبخت کچھ سمجھتا ہی نہیں۔'

بی اماں کو غصے میں دیکھ کر گونگا تیز قدموں سے اندر بڑھ گیا۔ چائے لے کر بسمتیا آ گئی تھی۔ چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بی اماں نے پوچھا۔

"تیرا بچہ کیسا ہے؟"

"اب ٹھیک ہے اماں۔"

"بخار اُترا —؟"

"آپ کی دعا ہے اماں۔"

"دعا ہے!"

بی اماں ایسے چونکیں جیسے بچھو نے کاٹ کھایا ہو...... کافر کی بچی — تو کیا جانے دعا تعویذ۔ سنا، شہر میں پھر دنگا ہو گیا۔ تیری قوم کے لوگ مسلمان کو پکڑ پکڑ



[illegible]

بسمتیا کو برا لگ رہا تھا۔ "اماں کیوں سناتی ہو یہ سب —؟"

"اس لئے کہ تیری قوم کے لوگ مار رہے ہیں۔"

"وہ میرے کوئی نہیں ہیں اماں۔"

بی اماں کو اچانک ہی بسمتیا پر ترس آ گیا تھا — اچانک ان کا دھیان اُٹھ کر بسمتیا کے شوہر پر چلا گیا۔

"ارے وہ رات سے کدھر ہے...... آیا ہے یا نہیں؟"

"وہ رکشہ چلانے گیا ہے اماں۔ دس بجے سے پہلے تھوڑے ہی آئے گا۔"

"اللہ بھلا کرے — مگر شہر میں تو......" بی اماں کی آواز میں لرزش تھی...... بسمتیا زیر لب مسکرائی 'کچھ نہیں ہوئے گا اماں اسے۔ آپ بالکل فکر نہ کرو۔ کرفیو بھی لگے گا تو وہ مزے سے آ جائے گا۔

"اللہ سب کو اچھا رکھے۔" بی اماں کے ہاتھ دعا میں اُٹھ گئے...... سب کی خیر ہو اللہ...... سب کو اپنی امان میں رکھنا معبود......"

بسمتیا کی آنکھوں میں پتہ نہیں کیا سوچ کر آنسو آ گئے تھے۔ چائے کا خالی کپ اٹھا کر وہ دوڑ کر بچے کو دیکھنے چلی گئی جو اکیلا پن محسوس کرتے ہوئے رونے لگا تھا۔ مگر نہیں...... گونگا اسلم اسے گود میں اٹھائے ہوئے تھا اور بہلا رہا تھا۔ بچہ اس کو گود میں اب بھی رو رہا تھا۔

"میرے دو دو بیٹے ہیں......" بسمتیا نے سوچا...... پیار سے اسلم کو اپنی بانہوں میں بھر لیا۔ گونگے اسلم نے فرمانبردار بیٹے کی طرح خود کو ماں کے آنچل کی چھاؤں میں رہنے دیا......

بی اماں جو چائے ختم کر کے باہر آ گئی تھیں، اس منظر کو دیکھ کر آہستہ سے

بولیں...... کافر کی بچی...... پھر تیز قدموں سے اپنے بھاری بھرکم جسم کو لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں — تغلق پاشا ڈرائنگ روم میں آ گئے...... اور شاہی گلدستہ کی گرد جھاڑنے لگے...... ٹھیک اسی وقت گشتی جیپ کا اعلان گونج اُٹھا......

"کرفیو لگ گیا ہے...... خدا خیر کرے۔"

کمزور قدموں سے وہ باہر کا دروازہ دیکھنے آئے کہ آیا بند ہے یا نہیں۔ دروازے کو بند دیکھ کر وہ پھر اپنے کمرے میں لوٹ گئے......

## (14)

ارشد پاشا کا غصہ ابھی تک سرد نہیں ہوا تھا۔ انور پاشا سے انہیں اس جملے کی اُمید نہیں تھی۔ اب تک وہ جملہ ان کے کانوں میں گونج رہا تھا۔ 'آپ کی طرح لڑکیوں کے ساتھ گھومتا تو نہیں۔' اس کا مطلب وہ صوفیہ کے بارے میں جان گیا تھا مگر اس کا لہجہ — اس کا انداز —؟ یہ بھائیوں کے بات کرنے کا انداز تو نہیں ہے...... وہ چاہتے تو اسے تھپڑ مار سکتے تھے — مگر اس کا نتیجہ کیا ہوتا — کہیں انور پاشا اُٹھ کر اُس پر بھی ہاتھ اُٹھا دیتے تو......؟ ارشد پاشا کے دل میں آگ لگی ہوئی تھی۔ وہ برابر کمرے کا چکر کاٹ رہے تھے...... انور پاشا کی جلتی ہوئی آنکھیں ان کے سامنے گھوم رہی تھیں — سب فلموں کا اثر ہے...... واہیات...... آج کل کی فلمیں ہی ایسی ہی بنتی ہیں۔ نئی نسل کو خراب کرتی جا رہی ہیں...... واہیات......

انہوں نے دوبارہ اس لفظ کو دہرایا...... اب ان کا غصہ دھیرے دھیرے کم ہو رہا تھا۔ کمبخت بدر بھی کئی روز سے ملا نہیں۔ کرفیو لگنے کی وجہ سے وہ صوفیہ سے بھی نہیں مل سکے تھے۔ صوفیہ کی یاد آئی تو دل میں ہلکی پھلکی کسک محسوس کی ارشد پاشا نے — وہ



آ کر بیٹھ گئے۔ یوں ہی ٹیبل لیمپ جلا لیا۔ پھر بجھا دیا اور دیر تک لیمپ کے جلانے بجھانے کا کھیل کھیلتے رہے...... انور پاشا کے کمرے کا دروازہ دھڑ سے کھلا تھا۔ یہاں سے وہ صاف دیکھ سکتے تھے...... ہونہہ کیسے کھڑا ہے۔ فلمی ہیرو جیسا۔ انور پاشا دروازے پر دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کھڑے تھے...... ارشد پاشا کے اندر آگ پھر بھڑک اُٹھی...... وہ جملے بار بار ذہن پر چوٹ کر رہے تھے...... آپ کی طرح لڑکیوں کے ساتھ گھومتا تو نہیں......

ارشد پاشا نے محسوس کیا...... انور پاشا کے کمرے سے نکلتی ہوئی بدبو پھیلتی جا رہی ہے...... پولیتھن جلا دیے جانے کے باوجود اب بھی جیسے وہ بدبو موجود ہے۔ پتہ نہیں کیسا پاگل تھا۔ گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں نام درج کرانے کا۔ ٹھیک سے گنیز بک کا نام بھی نہیں لے سکتے اور نام درج کرانے چلے تھے۔ بدتمیز...... وہ دل ہی دل میں غصہ ہوتے رہے......

انور پاشا پھر کمرے میں چلے گئے اور دروازہ بند کرنے کی تیز آواز گونجی۔ کھٹاک......

ہر کام میں جلد بازی۔ تہذیب نہیں ہے کمبخت کو...... وہ دل ہی دل میں بڑبڑائے...... آنکھوں کے آگے اب بھی نرم نرم سی، پیاری سی صوفیہ گھوم رہی تھی...... جو پہلی ہی ملاقات میں ان کے دل کو بھا گئی تھی...... پھر رفتہ رفتہ چھوٹی چھوٹی ملاقاتوں نے دونوں کو کتنا قریب کر دیا تھا۔

زابر گریاں باغ سبز و تر شود
زانکہ شمع از گریہ روشن تر شود

(بادل کے رونے سے چمن سرسبز و شاداب ہوتا ہے اور شمع
جس قدر روتی ہے روشن تر ہوتی جاتی ہے۔)



## (1)

ایک نئی دنیا سامنے ہے
اس نئی دنیا میں قتل وخون کے سوا،
کچھ بھی نہیں ہے/
...... یہاں کوئی ہمدرد و غمگسار بھی نہیں
کوئی آنسو پوچھنے والا بھی نہیں/
خون کے دھبے دھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد

باہر گشتی جیپ اناؤنسمنٹ کرتی ہوئی گھوم رہی تھی...... دکانوں پر شٹر گر رہے تھے۔ چار بجے سے کرفیو لگ جائے گا۔ سڑک سے گزرتے ہوئے لوگ تیز تیز اپنے گھروں کی طرف بھاگ رہے تھے۔

☆☆☆

کاشی میں مولوی فرقان کا آنا ٹل چکا تھا۔ شہر کی فضا اب بھی ویسی ہی تھی۔ خوف اور دہشت جیسے اب شہر کا مزاج بنتا جارہا تھا۔ ادھر سید وہاب الدین نے مسلمانوں کو اجودھیا کوچ کے لئے تیار ہوجانے کا اعلان کیا تھا۔ اگر حکومت بابری مسجد دوبارہ مسلمانوں کو سونپنے میں دلچسپی نہیں لیتی ہے تو مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت اجودھیا بابری مسجد کی طرف کوچ کرے گی اور وہاں نماز ادا کرے گی۔

یہ خبر نہیں تھی۔ ایٹم بم تھا۔

شہر کی فضا ایک بار پھر مکدر ہوگئی تھی۔ تعلق پاشا کے ذہن میں بار بار اپنے کلیگ دوست کا جملہ گونج رہا تھا...... زمانہ نازک ہے بڑے میاں اور اگر آپ میری صلاح مانیں تو...... ہندو مارا گیا ہے...... کون......؟ ہندو مارا گیا ہے...... اس لئے

بڑے ہڑبڑا کر بڑے میاں! آپ اپنی ٹوپی تو...... خطرے کا بگل بج اُٹھا تھا...... ان کا ہاتھ ٹوپی پر ایسے گیا جیسے یہ ٹوپی نہیں ہو، آگ کا گولہ رکھ دیا گیا ہو۔ جلتا ہوا گولہ — پورا جسم جلنے لگا ہو...... انہوں نے ہڑ بڑا کر ٹوپی سر سے اتاری اور جیب میں رکھ لیا۔ انہیں تو یہ بھی یاد نہیں تھا کہ جمعہ ہے — وہ تو اتفاق سے دوپلی ٹوپی ان کی جیب میں رہ گئی تھی۔ مگر ڈر...... خطرہ...... خوف کا ماحول...... پورا جسم جل اٹھا تھا...... پاکستان بننے کے بعد سے برابر یہی حالت رہی تھی۔

اچانک باہر کا دروازہ کھلا اور پسینے میں ڈوبے ہوئے انور پاشا دکھائی دیے۔ چہرہ لال سرخ — جیسے دور سے دوڑتے ہوئے چلے آ رہے ہوں۔ بال بکھرے ہوئے۔ شرٹ بھیگی ہوئی۔ چہرے پر ایک دو جگہ کھرونچ کے نشان۔ دروازہ دھڑاک سے کھلا اور گرتے گرتے بچے انور پاشا۔ پھر سہمے ہوئے اندر داخل ہو کر فوراً دروازہ بند کیا۔ اندر سے سٹکنی لگائی اور ایک لمحے کو وہیں ٹھہر کر لمبی لمبی سانس لینے لگے۔ چہرے اور سینے کے پاس سے تھوڑا بہت خون بھی رس رہا تھا۔

اللہ خیر...... اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے تغلق پاشا نے گھبرائی سی آواز میں پوچھا — 'کیا ہوا......!'

انور پاشا کی سانس اب بھی تیز تیز چل رہی تھی۔ جیسے بھوتوں کے خوف سے سرپٹ بھاگتے چلے آ رہے ہوں۔

دروازہ اتنی زور سے کھلا تھا کہ کسی غیر متوقع بات کے اندیشے میں بی اماں بھی بھاگتی چلی آئی تھیں۔

انور پاشا کچھ نہیں بولے...... ایک لمحے کو لال لال جلتی آنکھوں سے بی اماں اور تغلق پاشا کو دیکھا پھر بغیر کچھ بولے اوپر کی سیڑھیاں پھلانگتے چلے گئے۔



بڑا ابا...... [illegible] ہے اور میاں لسّی سے کشتی لڑ کر آ رہے ہیں۔'

بی اماں اب تک کانپ رہی تھیں۔ انور پاشا کے چہرے پر کھرونچ کے مختلف نشانات کسی انہونی کی طرف اشارہ کر رہے تھے...... خطرہ...... خوف...... فساد...... دنگا...... بی اماں کی آنکھوں میں ایک لمحہ کو سب کچھ گھوم گیا۔ وہ جہاں تھیں...... وہیں بیٹھ گئیں...... سر پکڑ کر...... تغلق پاشا کا دمہ اکھڑ گیا تھا۔ وہ لمبی لمبی سانس چھوڑ رہے تھے...... اور بی اماں بڑبڑا رہی تھیں۔

''سب کیا دھرا جناح کا ہے...... نوج قائداعظم بنا گیا...... میں کہتی ہوں قائداعظم گیا چولہے میں...... کیا ملا پاکستان لے کر۔ نہ وہاں چین نہ یہاں...... یہ کوئی زندگی ہے۔ خصی بکری کی طرح ہر دم جلاد کا خوف کھائے رہتا ہے۔ اپنا ملک تو لگتا ہی نہیں۔ کوئی کام آدمی آزادی سے نہیں کر سکتا۔ ہر بات میں فساد، خطرہ — نوج جینا مشکل ہے۔ نہ ہم پاکستان جا سکتے ہیں نہ یہاں چین۔ یہ تو وہی مثال ہوئی نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم...... جناح نے سب چوپٹ کر دیا۔ میں کہتی ہوں فتوری دماغ میں شیطان اتر آیا تھا...... آگ لگا دی محبت میں...... آگ...... اور ہمیں جلنے کو چھوڑ دیا......'

بی اماں بکے جا رہی تھیں۔

''چپ بھی کرو نجمہ......'' بڑے میاں کو دلار آ گیا تھا۔ جب بھی دلار آتا وہ انہیں نجمہ سے مخاطب کرتے...... ''جوانی تو جیسے تیسے کٹ گئی خیر صلی...... اب بڑھاپے میں یہی دن دیکھنے کو باقی رہ گیا ہے......''

ایک بار پھر کھانسی اٹھی......

''مگر پتہ تو چلے کہ بیٹے میاں کون سا گل کھلا کر آئے ہیں۔'' بی اماں کی

دروازے پر تیز تیز دستک پڑی تھی......

"ابا پاشا دروازہ کھولیے...... دروازہ کھولیے ابا پاشا۔"

"ہائیں......" تعلق پاشا نے کانپتے ہونٹوں سے کہا...... یہ تو ارشد پاشا کی آواز ہے خدا خیر کرے۔"

آگے بڑھے...... دروازہ کھولا اور ارشد پاشا دھڑ دھڑاتے ہوئے اندر آ گئے۔ ایک لمحہ کو ادھر ادھر دیکھا پھر پوچھا۔

"انور پاشا کہاں ہیں۔"

"وہ چھت پر گئے ہیں—"

"خیریت ہے نا—"

بی اماں نے سیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"مگر بیٹے بات کیا ہے؟"

تعلق پاشا اب بھی گھبرائے ہوئے منتظر رہے تھے......

"بات......" ارشد پاشا کی آواز ڈوب رہی تھی...... آپ لوگوں نے شہ دے رکھی ہے ابا پاشا...... میں کچھ بولتا ہوں تو عزت جاتی ہے...... وہ جواب دینے پر تل جاتا ہے اور آپ لوگ کچھ بولتے نہیں...... ایک تو شہر کی فضا خراب ہے اور دوسرا انور محلے کے متھو حلوائی کے لڑکے کو پیٹ کر آئے ہیں......"

"ہائیں۔"

بی اماں جو مشکل سے کھڑی ہوئی تھیں پھر بیٹھ گئیں۔ تعلق پاشا کا سر گھوم گیا...... یہ لڑکا فساد کرائے گا...... دنگے کرائے گا...... ہندو کو پیٹ دیا......؟ وہ لوگ اسے چھوڑیں گے نہیں...... اچانک پتہ انہیں کیا ہوا...... وہ زور زور سے



صاحبزادے...... انور پاشا چھت سے نیچے اترے...... ہاں میں کہتا ہوں۔ نالائق کمبخت...... ہم سب کو مروا کر چھوڑے گا...... ارے کافر گھر جلا دیں گے تو کیا کرے گا—؟

راشدہ سہمی ہوئی ایک طرف کھڑی تھی۔

اور بی اماں پاگلوں کی طرح چیخے جا رہی تھیں...... وہ بھی محلے میں لڑائی کرتا ہے۔ وقت پڑنے پر محلے والوں کا ہی آسرا رہتا ہے۔ میاں، دنگے ہو گئے تو سب سے پہلے یہی گھر جلائیں گے۔ کوئی بچانے بھی نہیں آئے گا۔ یہی دن دیکھنا تھا نصیب میں...... مار ڈالو مجھے...... پہلے مجھے مار ڈالو......"

اچانک سیڑھیوں پر کسی فلمی ہیرو کی طرح تنے ہوئے نظر آئے انور پاشا۔

"تو بھیا نے آگ لگا دی۔" ایک زہر بھری مسکراہٹ سے اس نے ارشد پاشا کو دیکھا۔ "یہ بتایا کہ میں نے متھو حلوائی کے لڑکے بچنا کو پیٹ دیا— مگر یہ نہیں بتایا ہوگا کہ وہ مجھے گالی دے رہا تھا۔ ہاں مجھے۔ مسلمانوں کو۔ ارے اس دو کوڑی کے کافر کی یہ مجال کیسے ہو گئی کہ وہ مسلمانوں کو گالی دے سکے۔ شکر ہے میں نے اسے صرف پیٹا ہے۔ جان سے نہیں مارا ہے......"

اتنا کہہ کر وہ ٹھہرے نہیں۔ دوبارہ سیڑھی سے ہو کر اپنے کمرے میں لوٹ گئے۔ بی اماں جیسے سکتے میں آ گئی تھیں...... ارشد پاشا نے منہ پھیر لیا۔ راشدہ اتنی سہمی ہوئی تھی کہ اسے رونا آ رہا تھا اور تعلق پاشا اب تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے سیڑھی کی اس جگہ کو دیکھ رہے تھے جہاں کچھ دیر پہلے انور پاشا کھڑے تھے...... کہاں کی تہذیب...... تہذیب کے یہ بت نئی نسل نے توڑ ڈالے ہیں...... توڑ ڈالے ہیں تعلق پاشا...... اب کوئی امید نہیں...... لفظ اب بھی گھوم رہے تھے...... اس دو کوڑی

[illegible]

صرف پیٹا ہے جان سے نہیں مارا ہے......'

ارشد پاشا سناٹے میں تھے...... اپنی جگہ خاموش اور ساکت...... قدم آگے بڑھنے کے لئے تیار نہیں تھے...... یہ کیا ہو جاتا ہے انہیں...... وہ چپ کیوں رہ جاتے ہیں...... دبو...... اور بزدل...... ستون کی آڑ سے دیکھا...... گونگے اسلم کو سینے سے لپٹائے بسمتیا ٹکٹکی باندھے ان لوگوں کی طرف دیکھ رہی تھی...... کافر...... لفظ پوری قوت سے چیخے...... بسمتیا ضرور جان گئی ہوگی کہ وہ کافر ہے...... پھر بھی وہ اس گھر میں گزارا کر رہی ہے...... روز اس طرح کی باتوں کو سننے کے باوجود......

ارشد پاشا کے اندر لفظوں کی بمباری چل رہی تھی...... بزدل...... کمزور...... وہ شروع سے ایسے رہے ہیں— کہیں کوئی چنگاری نہیں— حرکت نہیں...... بچپن سے...... دھندلی دھندلی کتنی یادیں بکھری پڑی ہیں۔ گندی مٹی کا کھیل...... دھول سنے ہاتھ، لٹو، شیشے کی گولیاں...... گلی ڈنڈا...... اوکسی اور چکا کا کھیل...... محلے کا رام کرشنا ہے...... جس نے آج کپڑوں کی تجارت شروع کر دی ہے...... کاشی ناتھ سنار کا لڑکا ہے...... پچھواڑے میدان میں کھیل چل رہے ہیں۔ ننھے منے بچوں کے کھیل...... معصوم کھیل...... وہ روتے روتے گھر پہنچا ہے...... کرشنا نے ماردیا...... لکشمن نے ماردیا...... ہائے اللہ...... توبہ...... اماں کی سخت آواز گونجی ہے— اماں کے ہاتھوں نے اس کے جسم کو پیٹ پیٹ کر رکھ دیا ہے...... کمبخت...... فساد کرائے گا...... دنگا کرائے گا...... نازک سی عمر...... دنگا کیا جانے...... فساد کیا جانے...... اماں بگڑ رہی ہیں...... ہندوؤں کے ساتھ کھیلتا ہے کمبخت...... لڑتا بھی ہے...... مارتا ہے...... ارے یہ غیروں کا ملک ہے...... غیروں کا......'

ہوں...... اوں...... آوں...... وہ رو رہا ہے...... یہ سارے منظر اور ان



[illegible]

بھی ویسا ہی شیر تھا۔ اماں کی باتوں کا ان دیکھا کرتا ہوا۔ مذاق اڑاتا ہوا۔ اماں کا ہاتھ چھڑا کر بھاگ جاتا۔ اسے ایک تھپڑ بھی نہیں لگتے— جبکہ وہ کمزور سا کھڑا رہتا کہ آؤ اماں۔ جھانپڑ جڑ دو۔ بی اماں مارو...... بزدل۔

وہ انہیں لفظوں کی آغوش میں پلا...... بڑھا ہے...... بچپن سے اب تک انہی بزدل لفظوں سے اس کا واسطہ پڑتا رہا ہے...... اور اب بھی وہ ویسا ہی ہے...... Confused...... خوف سے گھرا ہوا...... کمزور ایمان والا— قوم کا درد اس کے اندر جاگتا ہے...... اور اس جذبے سے سرشار ہو کر وہ کچھ کرنا چاہتا ہے...... وہ قوم کو بلندی پر دیکھنا چاہتا ہے...... مگر...... یہ دنگے...... یہ فساد...... اسے احساس کراتے ہیں کہ آج کے دور میں مذہب کو ختم ہو جانا چاہئے...... نہیں رہنا چاہئے...... سارے فساد کی جڑ یہی مذہب ہے...... وہ سچ مچ Confused ہے اور الجھا ہوا......

تغلق پاشا اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ بی اماں بھی لوٹ گئی تھیں۔ کافی دیر تک ذہن میں چلنے والی کش مکش کے ساتھ وہیں کھڑے رہے ارشد پاشا۔ اپنے کمرے میں جانے کی خواہش ہوئی لیکن ایک منظر دیکھ کر ٹھہر گئے۔ گونگا اپنے جسم کو عجب عجب طرح سے حرکت دے کر منانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بسمتیا کی آنکھیں روشن تھیں اور بچہ حلق سے تیز آواز نکال کر ٹھہا کہ چھوڑ رہا تھا......

اسے یہ منظر عجیب لگا۔ یاد آیا۔ کل بھی اس نے گونگے کو دیکھا تھا۔ وہ بسمتیا کے شوہر کا پاؤں داب رہا تھا...... بڑی محبت سے— محنت سے...... جیسے اس نے بسمتیا، اس کے شوہر اور بچے کے پیچھے اپنے رشتے کی مضبوطی کو محسوس کر لیا ہے...... کیسے بنتے ہیں رشتے...... اس رشتے میں مذہب کہاں آتا ہے...... گونگے

اسم لو اپنے مذہب کے بارے میں کیا علم — [illegible] اپنے مذہب کے بارے میں کتنا جانتے ہیں...... پھر بھی یہ کتنے خوش ہیں...... بسمتیا نے گونگے کو ایک بیٹے کے طور پر قبول کرلیا ہے اور خوش ہے۔

تھکے تھکے قدموں سے ارشد پاشا سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

●●

رات کے کھانے کے وقت بھی صبح کا معاملہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ کھاتے وقت سب خاموش تھے لیکن انور پاشا سے رہا نہیں گیا۔ گوشت کی ہڈیاں چباتے ہوئے انہوں نے ایک نظر دسترخوان کے اردگرد پھیلی پُراسرار اور سہمی خاموشی پر ڈالی۔ پھر گویا ہوئے......

"مجھے نہیں معلوم آپ لوگ کیوں ڈرتے رہتے ہیں۔ کس لئے ڈرتے رہتے ہیں۔ کیوں اور کس سے کا کوئی جواب آپ کے پاس نہیں ہوگا۔ یہ ملک جیسے ان کا ہے ویسے ہمارا بھی ہے — جیسے انہیں ہر طرح سے جینے کی آزادی ہے۔ یہی آزادی ہمارے ساتھ بھی ہے۔ پھر ہم اپنے ان کے خوف سے اپنے آپ کو غلام کیوں بناتے ہیں۔ یہاں ہماری آبادی پندرہ کروڑ ہے اور جس طرح سے آپ لوگ کرتے ہیں یا رہتے ہیں۔ مرغیوں کی طرح بند دربے میں — مجھے گھن لگتی ہے۔ نفرت محسوس ہوتی ہے...... سرکار اگر ان کی ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہمیں اپنے انداز اور اپنے طور طریقے میں باندھ دیں۔ ہماری جو مرضی ہوگی ہم کریں گے...... اور ہاں سن لیجئے — اب یہ بسمتیا اور اس کا خاندان اس گھر میں نہیں رہے گا — فیصلہ ہو چکا ہے —

راشدہ اور ارشد پاشا سر جھکائے کھانے میں لگے رہے۔ تغلق پاشا کا سر جھکا ہوا تھا۔ بی اماں خاموش تھیں —



[illegible]
نے اپنی تقریر بند کی۔ انگریزی انداز میں کندھے اُچکائے۔ آدھا کھانا چھوڑ کر دسترخوان سے اُٹھ گئے اور ہاتھ دھونے چل دیئے۔

ماحول میں سناٹا چھایا ہوا تھا —

لفظ گم تھے — تغلق پاشا کی آنکھوں میں اندھیرا اتر آیا تھا —

اور ارشد پاشا — وہ اب بھی اپنی کمزوریوں پر غور کر رہے تھے۔ اس ماحول میں ان کے لفظ کہاں کھو جاتے ہیں —!

## (2)

شام ہوتے ہی گرد اُڑنے لگی تھی۔ آسمان ابر آلود ہو گیا تھا — تغلق پاشا کمرے میں آئے تو بڑی بی کی پیشانی پر سلوٹیں دیکھ کر چونک پڑے۔

'بات کیا ہے — خدانخواستہ......'

'چوہا — ' بڑی بی نے ناک پر انگلی رکھی...... کیوں؟ بدبو تمہیں محسوس نہیں ہو رہی ہے...... چوہے کا مرنا اچھی بات نہیں ہے...... ہیضہ پھیلتا ہے...... ہیضہ......'

تغلق پاشا خاموش رہ گئے...... بولنے کے لئے ہونٹ حرکت میں آئے مگر فوراً ہی دن بھر کا سناٹا آنکھوں میں خوف بھر گیا — اب اس ملک میں کچھ بولنے کے لئے رہ ہی کیا گیا ہے......

تبھی دروازے پر دستک ہوئی...... وہ چونک کر بڑی بی کی طرف مڑے — بڑی بی کی آنکھوں میں جیسے خوف کی بارش ہوئی......

'اس وقت کون ہوسکتا ہے......؟'

'پتہ نہیں......'

تغلق پاشا نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو جیسے سناٹے میں آگئے۔ دروازے پر اُن کے محلے کے کئی لوگ کھڑے تھے —— آنکھوں میں غصہ — ہونٹوں پر دھمکیوں بھرے لفظ......

'......انور بابو نے اچھا نہیں کیا......'

'......ہم تو آپ کی خاطر چھوڑ دے رہے ہیں ——'

تغلق پاشا نے پہچاننے کی کوشش کی — لنگی، بنیان میں — وہ وہی مٹھو حلوائی تھا، جو اُدھر سے گزرتے ہی ادب سے انہیں سلام کیا کرتا تھا —— آج اُس کے تیور بدل گئے تھے۔ اخلاق کی بچی ہوئی رسم بھی ختم ہوگئی ——

'انور میاں کو سمجھا دیجئے گا — محلّے میں رہنا ہے کہ نہیں — بس یہی کہنے آئے تھے...... چلو لوگو ——'

وہ جیسے آئے تھے، ویسے ہی واپس لوٹ گئے —— تغلق پاشا بس دیکھتے رہ گئے...... باہر گرد اُڑ رہی تھی...... انہوں نے دروازہ جھٹکے سے بند کیا — مڑے تو سامنے بڑی بی کھڑی تھیں......

'یہ سب کیا تھا......؟'

پیچھے پیچھے انور پاشا آئے —— یہ سب ہمارا ڈر ہے — خوف ہے......'

ارشد پاشا نے ذرا بلند آواز میں کہا —— 'تو تم باہر کیوں نہیں آئے ——؟ باہر نکلتے تو سمجھتے کہ تمہیں دہشت اور خوف کا احساس نہیں ہے؟

انور پاشا ہنسے —— 'باہر نکلنے کا مطلب تھا، ان جیسوں کو شہ دینا ——'

تغلق پاشا کھانستے ہوئے بولے...... 'اچھا بُرا میں نہیں جانتا...... میں تو



[illegible] قدم اس طرح ڈیرے [illegible] ہیں...... یہ اچھا نہیں ہوا ——'

'پھر وہی ڈر —— انور پاشا کی تیوریاں چڑھ گئیں —— 'اپنا وجود کھو کر جینا کوئی جینا نہیں ہوتا ابا میاں —— 'ہم ہیں'، اس کا احساس انہیں کرتے رہنے کی ضرورت ہے......'

'پتہ نہیں —— 'تغلق پاشا کی آواز کمزور تھی —— موسم کا تقاضہ ہے، کھڑکی، دروازے بند کرو۔ جھکڑ چل رہے ہیں...... گرد کمرے میں آرہی ہے دیکھتے نہیں موسم بدل گیا ہے......'

'موسم بدل گیا ہے تو آپ لوگوں خود کو کیوں نہیں بدلتے۔' انور پاشا زور سے ہنسے — موسم کے تیور کو سمجھئے — آنکھیں بدل رہی ہیں ابا — محلے والے بدل رہے ہیں اور ہم — ہم نہیں بدلے تو وہ دن بھی آئے گا جب یہ ہمارے مکان پر قبضہ کرلیں گے — کب تک خوف کی زندگی گزاریں گے آپ لوگ — مجھے اب اس شہر سے نفرت ہوگئی ہے۔ مجھے اب یہاں نہیں رہنا —'

انور پاشا اتنا کہہ کر اپنے کمرے کی طرف چل دیے۔ تغلق پاشا سناٹے میں آگئے تھے —

## (3)

زلزلے کے دوسرے جھٹکے لگنے ابھی باقی تھے......

انور پاشا کا تیور ویسا کا ویسا تھا...... وہ اب بھی کمرے میں دہاڑ رہے تھے اور گھر کے باقی فرد سر جھکائے اُن کی باتیں سننے کو مجبور تھے......

''کیا چاہتے ہیں وہ...... وہ چاہتے ہیں ہم پر حکومت کرنا...... ہم جو تعداد

میں ان سے کسی طور پر کم نہیں۔ یعنی پندرہ سے بیس کروڑ آبادی ـــــ یہ آبادی تو کسی چھوٹے موٹے ملک کے برابر ہوتی ہے...... اور...... ہمیں کہا کیا جاتا ہے ''اقلیت'' ـــــ یعنی 15 سے 20 کروڑ آبادی والی قوم اس ملک میں اقلیت کہلاتی ہے ـــــ ہمیں دوسری بڑی اکثریت کہنے سے اُنہیں پرہیز کیوں ہے؟ وہ اگر ہمیں کمزور بنا کر حکومت کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں تو اب یہ ممکن نہیں ہے ـــــ سہنے کی اور تمام قوت برداشت ہم نے کھودی ہے ـــــ وہ حمایت میں بھی لکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے کوڑے کے ڈھیر پر پڑے چڑیا کے مردے بچے سے ہمدردی دکھا رہے ہوں...... ہمیں یہ ہمدردی نہیں چاہئے ـــــ'

اس کے بعد انہوں نے وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لیا۔ جیسے اپنی تقریر کا اثر دیکھنے کے لئے کوئی لیڈر اچانک بولتے بولتے ٹھہر کر مجمع کی طرف دیکھتا ہے۔ مگر یہاں تو سب کے سب خاموش تھے۔ آنکھیں جھکی تھیں ـــــ انور پاشا شان سے اُٹھے ـــــ اُس بادشاہ کی طرح، جسے اس بات سے کوئی مطلب نہ ہو کہ رعایا کے بیچ اُس کی باتوں کا اثر ہوا ہے یا نہیں ـــــ اٹھتے وقت انہوں نے کسی کو دیکھنا تک مناسب نہیں سمجھا اور اپنے کمرے میں چلے آئے۔

آسمان اچانک گرد آلود ہوگیا تھا۔ ہوا تیز تیز چل رہی تھی...... دروازے کھڑکیاں ہوا کے زور سے بار بار ٹکرا رہے تھے...... موسم صبح سے ہی خراب تھا ـــــ آسمان کا رنگ سرخ ہوگیا تھا...... جیسے کسی نے ڈھیر سارا خون مل دیا ہو ـــــ

●●

احمد وکیل دوڑتے ہوئے آرہے تھے، جیسے ہزاروں بھوت پیچھے پڑے ہوئے ہوں...... چہرہ سپید پڑ گیا تھا...... دروازہ پر ٹھہر کر ذرا دیر کو انہوں نے اپنی



[illegible] ـــــ

دروازہ سلمان میاں نے کھولا۔ پھر ٹھہر گئے ـــــ

'خدا خیر کرے ـــــ'

'سلمان میاں۔ صوفیہ کہاں ہے۔ صفدر علی چلے گئے ـــــ؟'

سلمان میاں نے کبھی بڑے صاحب کو اتنا پریشان حال نہیں دیکھا تھا۔

انہوں نے گھبرائے لہجے میں پوچھا ـــــ

'سب خیر خبر تو ہے...... نا...... میاں؟'

'نہیں سلمان میاں ـــــ' وہ آنکھیں نہیں ملا پائے ـــــ 'مسلمانوں پر برق گر پڑی ہے سلمان میاں ـــــ'

اتنا کہہ کر وہ ٹھہرے نہیں ـــــ تیز تیز چلتے ہوئے مجاہد والے کمرے میں آئے ـــــ صفدر علی اخبار کے تراشے چپکانے میں مشغول تھے ـــــ اب یہ کمرہ مجاہد کا کمرہ تھا۔ ہفتہ وار ''مجاہد'' ـــــ ایک طرف اخبارات کے ڈھیر پڑے تھے۔ صفدر علی کی گول گول آنکھیں ذمہ داریوں کے بوجھ سے دبی اخباروں کے انبار میں 'دھماکہ' تلاش کر رہی ہوتیں۔ کوئی ملنے والا آتا تو صفدر علی کے ہاتھ جھٹ ریسیور تھام لیتے ـــــ وہ نمبر ملانے میں یوں مصروف ہو جاتے، جیسے سامنے والے کی موجودگی کا ذرا بھی احساس نہ ہو ـــــ وہ بس یہی تو چاہتے تھے...... نام ـــــ شہرت اور...... ''مجاہد'' کے چند شماروں نے ہی ملک میں کھلبلی مچادی تھی۔ کشمیر اور دوسرے صوبوں میں اس کی سیل زبردست بڑھی تھی۔ ظاہر ہے، ان سب کے پیچھے احمد میاں وکیل کا دماغ تھا اور وہ رفتہ رفتہ اپنے منصوبوں میں کامیاب بھی ہو رہے تھے۔ اب اُن کا موازنہ سید وہاب الدین اور امام پشاوری جیسے نیتاؤں سے بھی کیا جانے لگا تھا۔ ہاں، اس میدان میں مولوی احمد کو آہستہ آہستہ بڑے زبردست تجربے ہوئے تھے ـــــ

جیسے انہوں نے محسوس کیا، کہ لاکھ اختلاف سہی، مگر ابھی بھی سید شہاب الدین اور امام پشاوری جیسے لیڈروں پر الزام کی انگلیاں نہیں اٹھائی جاسکتیں — ایسے میں اُن کے مستقبل کے آگے سوالیہ نشان لگ سکتا تھا ——

مولوی احمد ایک لمحے کو کمرے میں رُکے۔ ہوا اب بھی شائیں شائیں چل رہی تھی — کمرہ گرد سے بھرنے لگا تھا۔ دروازے کے پٹ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے مگر ان سے بے نیاز صفدر علی پیپر ویٹ کے نیچے دبے تراشوں کو ایک ایک کرکے نکالنے اور چپکانے میں مصروف تھے ——

ہوا پھر چلی۔ گرد پھر اُڑی...... مولوی احمد نے آواز لگائی ——

صفدر علی ——

صفدر علی اپنے کام میں ایسے کھوئے تھے جیسے دنیا جہان کا غم بھول گئے ہوں۔ صفدر علی —— دو۔ تین آواز کے بعد صفدر علی نے پلٹ کر دیکھا اور جیسے ہڑ بڑا سا گیا۔

'آپ...... آپ کب آئے...... ؟'

'یہ ان باتوں کا وقت نہیں ہے صفدر علی۔ مجاہد کی ڈیٹ کون سی ہے......'

'پرچہ تو کل ہی پریس جانے والا ہے۔ ساری کتابت مکمل ہوچکی ہے۔'

'پہلا صفحہ —— پہلی ہیڈ لائن ——'

'حلوائی کے بیان اور جما بھارتی کی اشتعال انگیز تحریر کو نشانہ بنایا گیا ہے —— باکس میں مادھوی سادھوی کا وہ بیان بھی جائے گا، جس میں انہوں نے کہا ہے کہ ڈھانچہ ٹوٹنے کے بعد ہی وہ گیروا وستر اُتار کر دوسرے وستر دھارن کریں گی ——

'نہیں۔ اب یہ سب نہیں جائے گا۔ اب یہ باتیں بہت پرانی



مولوی احمد کی آنکھیں کتابت کئے ہوئے 'رول' پر گھوم رہی تھیں ——

'پرانی دنیا کے وہ سب پچھلے شمارے نکال لو جس میں بابری مسجد کی تفصیل آئی ہو —— اور ہاں، اُن میں جو اداریے اور تحریر واحد صدیقی کے نام ہوں۔ وہ الگ کاٹ کر رکھتے جاؤ اور اُس کی الگ فائل بنالو ——'

مولوی احمد کچھ سوچتے ہوئے بولے —— 'اور ہاں میاں —— خاص نمبر کا اعلان بھی کردو۔ اگلا شمارہ خاص نمبر ہوگا۔ اس میں بابری مسجد کے سلسلے میں تمام تفصیلات دی جائیں گی ——

صفدر علی نے پہلی بار چونک کر دیکھا۔ 'مگر —— ماجرا کیا ہے حضور —— ؟'

'بُری خبر ہے صفدر علی......'

ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا —— دروازے کے دونوں پٹ تیزی سے ایک دوسرے سے ٹکرائے ——

'بابری مسجد دھوست کرنے کی گھوشنا کردی گئی ہے۔ دن مقرر ہو چکا ہے ——'

اُن کی آواز ہوا کے شور میں دب کر رہ گئی تھی ——

●●

انور پاشا کی آنکھوں میں بسمتیا اب بری طرح کھٹکنے لگی تھی —— اور وہ اسے اپنے گھر رکھنے پر آمادہ نہیں تھے۔ ہوا بدلی تھی اور جیسے سب کچھ بدل گیا تھا —— دیکھنے والی آنکھوں میں نفرت کے جراثیم گھل مل گئے تھے —— اُس دن پھر بی

اماں کا راستہ کاٹ گئی تھی ...... [illegible]
اٹھایا ـــــ انہوں نے بسمتیا کی خیر خبر نہیں لی۔ راشدہ کو نہیں جگایا ـــــ اُس دن
گھر میں کوئی طوفان نہیں آیا ......

اُس دن ـــــ ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ بی اماں خاموشی سے کمرے میں
آ گئیں ـــــ قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی ...... راشدہ بہت دیر تک امی
کی آنکھوں میں پتہ نہیں کیا تلاش کرتی رہی۔ پھر اٹھی اور پاس آ کر بیٹھ گئی ـــــ

ـــــ تم پریشان تو نہیں ہو اماں؟
ـــــ نہیں رے۔
ـــــ طبیعت تو ٹھیک ہے نا ......؟

اماں کی آنکھوں میں خوف کے ڈورے اب بھی تیر رہے تھے ...... 'بسمتیا
باہر سے خبر لائی تھی ـــــ ٹینشن ہے ـــــ کبھی بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے ......'
'ـــــ اماں کچھ ہو گا تو نہیں نا ......؟'

راشدہ سہمی ہوئی بی اماں کی آنکھوں میں جھانک رہی تھی ......

اِدھر تغلق پاشا اپنے کمرے میں ٹہل رہے تھے ...... یہ ...... وقت کے کیسے
دوراہے پر کھڑے ہو گئے ہیں وہ۔ پاکستان ـــــ پاکستان نہ جا کر انہوں نے کوئی
بھول تو نہیں کی ـــــ؟

اور جو خبریں آ رہی تھیں، اُس نے چین سکون سب کچھ چھین لیا تھا ......
یون لال پھرانا نے کہا ہے ......
مادھوی سادھوی نے کہا ہے ......
تابنائی نے اپنی تقریر میں کہا ہے کہ ......
اور چتا بھارتی ......



[illegible]
اور ـــــ حلوائی کے رتھ پورے ملک میں گھومیں گے ـــــ یعنی ہر جگہ
دنگے ـــــ فساد ـــــ

اس برصغیر سے ایک آدمی کم ہوتا ہے تو ـــــ ایک نیک آدمی ـــــ ایک اچھا
آدمی ...... اشرف المخلوقات ـــــ مگر ایسا کیوں ہوتا ہے ـــــ چہرہ پر نفرت کی یہ
کیسی کویتا لکھدی گئی ہے ......؟ انسان ـــــ کوئی بھی انسان اپنے آپ میں الگ
جزیرہ تو نہیں ـــــ براعظم کا ایک ٹکڑا ہے یہ انسان ـــــ اگر سمندر سے مٹی کا ایک ٹکڑا
بھی بہہ جائے تو زمین کم پڑ جاتی ہے ...... کسی ایک آدمی کی بھی موت ـــــ تغلق پاشا
جیسے اپنے آپ سے پوچھ رہے تھے ......

مرنا چاہتے ہو ـــــ؟
نہیں۔ مگر موت سامنے ہے ......
موت۔ آن میں دبوچ لے گی تمہیں ـــــ
وہ کبھی کبھی آسمان پر گدھوں کو اڑتا ہوا دیکھتے اور پریشان ہو جاتے۔
گدھ ہر طرف سے آ رہے تھے ......
گدھ چاروں دشاؤں سے آ رہے تھے
گدھ کے خونی منقار میں موت چھپی ہوتی ـــــ وہ اندھڑ کی طرح چھا
جاتے ...... جہاں سے گزرتے وہاں موت کی بارش ہو جاتی ـــــ

☆☆

اس وقت ملک میں چاروں طرف آگ لگی ہوئی تھی ـــــ کتنی ہی آوازیں
تھیں، جو مسلسل مسلمانوں کو زخمی کر رہی تھیں ـــــ ان میں یہ خاکر کی آواز بھی تھی ـــــ

اس درمیان واقعات نے تیزی سے کروٹ لینا شروع کیا تھا — بی اماں بیمار رہنے لگی تھیں — راشدہ کے ہونٹوں پر خاموشی کا قفل لگا تھا —

انور پاشا اب اس کوٹھی کو فروخت کر کے دلّی جانے کے حق میں تھے —

نفرت کی ان آندھیوں میں ایک دن روتے ہوئے بسمتیا اور اس کا شوہر کوٹھی سے ہمیشہ کے لیے چلے گئے — جاتے وقت بی اماں نے اس کے بچے کو اپنی گود میں لیا۔ پھر ڈبڈبائی آنکھوں سے فوراً بچہ اس کی گود کے حوالے کر کے اپنے کمرے میں لوٹ گئیں —

اور اس کے بعد وہ بیمار رہنے لگیں — سب سے زیادہ مشکل میں ارشد پاشا تھے — وہ صوفیہ سے محبت بھی کرتے تھے لیکن زندگی کے نام پر اتنے اندھیرے جمع ہو گئے تھے کہ وہ ان اندھیروں میں صوفیہ کو لانے کا خواب دیکھتے ہوئے بھی کانپ جاتے تھے — صوفیہ اپنا فیصلہ سنا چکی تھی —

'ایسا نہیں ہو کہ تمہاری کمزوریاں مجھے ہمیشہ کے لیے کھو دیں — ہمت تو کرو ارشد پاشا — میں ہوں نہ — مجھے تمہاری ذرا سی ہمت کی ضرورت ہے —'

مگر ارشد پاشا میں اسی ہمت کی کمی تھی — وہ ہمت کہاں سے لاتے —

ملک کی بد سے بدتر ہوتی ہوئی صورتحال میں ان کی ہمت اور حوصلہ بھی کہیں کھو گیا تھا —



آگ بجھی ہوئی ادھر، ٹوٹی ہوئی طناب اُدھر
کیا خبر اس مقام سے گزرے ہیں کتنے کارواں

— اقبال

(1)

'ہاں بھیا— کہاں جات ہو— کا کرت ہو بھیا'

'ایک ٹھو پان تو منہ میں داب لو بھیا—'

کاشی میں گنگا کے گھاٹ پر ارشد پاشا کی آنکھیں نم ہیں— گھاٹ کے نیچے گھاٹیے بیٹھے رہتے ہیں— جن کے پاس پوجا کے لباس اور پوجا کی ڈالیاں چھوڑ کر آپ اشنان کے لیے بھی جا سکتے ہیں۔ واپس آنے پر وہ آپ کو تلک لگاتے ہیں۔ ابھی ایک ایسے ہی گھاٹیے کے پاس نہانے کے بعد واپس آئے ہوئے ایک مرد اور ایک عورت کھڑے ہیں۔ دونوں کی ابھی شاید حال میں شادی ہوئی ہے— ان کے ساتھ ایک بوڑھی عورت بھی ہے— بی اماں کے جیسی۔

گزرے ہوئے مناظر ایک ایک کر کے ارشد پاشا کی آنکھوں کے آگے روشن ہو گئے۔ بسمتیا کے جانے کے بعد بی اماں نے بستر پکڑ لیا— گھر کے ہنگامے رخصت ہو گئے— منڈیر پر آنے والے کوے اب بھی بیٹھے رہتے ہیں۔ لیکن بی اماں تو گونگی بن گئی تھیں۔ اس درمیان صرف اتنا ہوا کہ لکھنؤ سے راشدہ کے لیے ایک رشتہ آیا۔ لڑکا سعودی عرب میں ملازم تھا— شادی کی جلدی تھی۔ آناً فاناً رشتہ طے ہوا— اور دو مہینے میں ہی راشدہ کی رخصتی کر دی گئی— تغلق پاشا اب کمزور ہو گئے تھے— انور پاشا کو اپنے مستقبل کی فکر کھائے جا رہی تھی— ان کے کچھ دوست عرب ممالک میں جا کر بس گئے تھے— وہ دہلی جانا چاہتے تھے اور بار بار ان کی ایک ہی رٹ تھی— "ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا ہے— کوٹھی کے خریدار مل



[illegible] بیچ کر وہاں چھوٹا سا ہی سہی ایک فلیٹ لے لیں گے۔'

تغلق پاشا آہ بھر کر رہ جاتے، دمے نے اب پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔ ریٹائرمنٹ میں کچھ ہی مہینے رہ گئے تھے لیکن اب ان سے چل پھر نہیں ہوتا تھا۔ وہ آرام کرنے کے موڈ میں تھے— ارشد پاشا انہیں سمجھاتے تھے۔

'ابھی آپ کی ایسی کوئی عمر نہیں ہے۔ آخر دوسرے لوگ بھی تو ہیں آپ ہی کی عمر کے۔ ذرا ان لوگوں کو بھی تو دیکھئے۔ کیسے چاق چوبند رہتے ہیں— حکومت ریٹائر کر دیتی ہے تو کیا ہوا؟ ساٹھ سال کا آدمی— کوئی بوڑھا نہیں ہوتا۔'

تغلق پاشا مسکرانے کی کوشش میں ہانپنے لگ جاتے۔ ارشد پاشا کے سوالوں کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہوتا۔ ادھر بابری مسجد کا معاملہ اور بھی زیادہ گرما گیا تھا۔ ہنگامے پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئے تھے— ہندو سنگھٹھنوں کی طرف سے لگاتار نفرت کی بارش ہو رہی تھی— ادھر اے ایس آئی نے مندر کے فیور میں بیان دیا تھا— محکمۂ آثار قدیمہ کے مطابق یہاں مندر ہونے کے کئی وجوہات ہو سکتے ہیں—

☆ کھدائی کے دوران متنازع مقام سے عیسوی قبل تیسری صدی کے مندر جیسے مذہبی مقام کے نشانات ملے—

☆ نویں صدی کے دائرہ نما شیو مندر کے نشان بھی پائے گئے۔

☆ آثار قدیمہ کے افسران کو دسویں صدی کا ایک وشنو مندر بھی کھدائی کے دوران ملا۔ سریوندی کی باڑھ میں یہ مندر بہہ گیا تھا—

☆ تاریخ کے مطابق ۱۲۲۸ء میں گڑھوالی راجاؤں نے نیا وشنو مندر تعمیر کرایا تھا— اسی مندر کو بابر کے سپہ سالار میر باقی نے مسمار کر مسجد بنوائی تھی۔

☆ کھدائی کے دوران سے [illegible]
ٹیوٹ آف پولیو بائنی نے ٹیسٹ کرنے کے بعد اس کی صحیح تاریخ نکالی — اسے بھی عدالت میں بطور ثبوت رکھا گیا — ممکن ہے اسے بھی عدالت نے اپنے فیصلے کی بنیاد بنایا ہوگا۔

☆ رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ کھدائی کے دوران ملے کئی باقیات کشان کے عہد سے ملتے ہیں۔

☆ کھدائی کے دوران متنازع مقام سے قریب 50 کھمبے، بجے ہوئے پتھر، اینٹ اور دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں ملی ہیں —

☆ ۱۵ویں، ۱۶ویں صدی میں رائج ایرانی برتنوں کے ٹکڑے —

☆ ۱۵ویں، ۱۶ویں صدی کی مقامی کاریگری سے بنی چوڑیاں۔

☆ ۱۲ویں صدی کا ۲۰ سطور کا ناگری خط اور سنسکرت زبان کا وشنو ہری شیلا لیکھ —

ان ثبوتوں کی بنیاد پر سنگھ کے لوگ وقف کمیٹی کے اس دعوے کو خارج کرتے تھے کہ یہ مسجد مغلیہ حکمراں بابر کے عہد میں بنی تھی — معاملہ طول پکڑ چکا تھا — ادھر کشمیر سلگ رہا تھا — برف پوش وادیوں میں آگ لگ چکی تھی — 'کشمیر کو علیحدہ ریاست کے طور پر دیکھنے والی جماعتیں سامنے آ چکی تھیں —

اور ان سب کا اثر عام مسلمان پر پڑ رہا تھا — جو چاروں طرف سے دہشت میں گھر کر رہ گئے تھے —

ارشد پاشا کی آنکھوں میں آنسو تھے — ایک دن ایک نفرت بھری آندھی آئی اور بی اماں کو یہ آندھی اپنے ساتھ لے گئی — اس دن شہر میں کارسیوک اکٹھے ہونے والے تھے۔ بی اماں نے وضو کا پانی مانگا۔ ظہر کی نماز کا وقت تھا — انور پاشا



[illegible]
زور کی چیخ ماری —

جنازہ تیار تھا اور ادھر شہر میں فساد کا خطرہ منڈرا رہا تھا — تغلق پاشا کا دمہ اکھڑ گیا تھا — وہ روتے اور ہانپتے ہوئے چیخ رہے تھے —

'نفرت کی یہ آندھی تمہاری اماں کو بہا کر لے گئی — ایک دن یہ آندھی ہم سب کو بہا کر لے جائے گی۔ دیکھ لینا — نحوست کے گدھ منڈرا رہے ہیں — آدم خور ہیں گدھ — بوٹی بوٹی کھا جائیں گے ہماری —'

شہر میں دفعہ ۱۴۴ لگی تھی — اسی دفعہ میں خاموشی سے محلے کے چند لوگوں کے کندھے پر سوار بی اماں کا جنازہ اٹھا اور پرانے قبرستان میں بی اماں کو آخری پناہ گاہ نصیب ہوئی —

راشدہ کے شوہر سعودی سے لکھنؤ لوٹ آئے تھے — خبر ملتے ہی راشدہ بھی بی اماں کے آخری دیدار کو آ گئی تھیں — عراق نے کویت پر حملہ بول دیا تھا — عرب ممالک پر اس کے اثرات نمایاں تھے — اب راشدہ کے شوہر لکھنؤ میں ہی بزنس کے خواہش مند تھے —

برامدے میں خاموشی تھی — ماحول میں لوبان کی مہک پھیلی ہوئی تھی — راشدہ نے آنسو بہاتے ہوئے کہا —

'نوج' آج پھر کوے آ گئے ہیں منڈیر پر —'

غم کے ماحول میں چپکے سے ایک مسکراہٹ داخل ہوئی — ٹھیک اسی وقت کارسیوکوں کا ایک دستہ جے شری رام اور ہر ہر مہادیو کی آواز لگاتا ہوا گزرا — ابا حضور تغلق پاشا کی آواز گونجی —

'دروازے اور کھڑکیاں بند کر دو — جانے پھر کوئی مصیبت نہ ٹوٹ

اور یہی وقت تھا جب باہر سے گھبرایا ہوا اسلم گھر کے اندر داخل ہوا تھا—

'غضب ہو گیا—'

اس کے پیچھے انور پاشا بھی تھے—انہوں نے بتایا—

'دو فرقوں کے درمیان جھڑپ ہو گئی ہے—مدن پورا اور مخدوم پورا میں کچھ دکانیں جلا دی گئی ہیں—'

انور پاشا چیخ رہے تھے—

'میری تو کوئی سنتا ہی نہیں ہے—یہ دنگے خاموشی سے بی اماں کو اپنے ساتھ لے گئے—ہمیں بھی لے جائیں گے—روز ان نفرت بھرے نعروں کو سنتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے—'

'آگ تو سب جگہ لگی ہے—کہاں جاؤ گے انور پاشا—یہ آگ تو چھوٹے چھوٹے گلی کوچوں سے نکل کر پورے ملک میں پھیل چکی ہے۔ کہاں کہاں بھاگتے پھرو گے—' یہ ارشد پاشا تھے—

'اب تو بس یہیں کی مٹی میں دفن ہو جانا ہے—بی اماں چلی گئیں۔ میرا انتظار باقی ہے—کچھ دن اور انتظار کر لو—پھر بولنے اور بکنے والا کوئی نہیں رہے گا—دو بھائی ہو اور ایک بہن—بٹوارہ کر لینا—مجھے تو کبھی بٹوارہ پسند ہی نہیں رہا—جیتے جی ملک کے بٹوارے میں' میں بھی جھلسا اور بی اماں بھی—ساری عمر اس بٹوارے کو روتے رہے—گھر کا بٹوارہ کیسے کر دیتے—'

تغلق پاشا کی آنکھوں میں آنسو تھے—

'لیکن تم لوگوں کو روکوں گا نہیں—بڑے ہو چکے ہو۔ اپنی مرضی کے مالک ہو۔ میرے مرنے کے بعد جو چاہے کرنا—لیکن میری زندگی تک اس گھر کا



وہ ہانپتے ہوئے اپنے کمرے میں لوٹ گئے تھے—

دوسرے دن راشدہ واپس لکھنؤ چلی گئی—گھر کے در و بام میں اب خاموشی کی حکومت تھی—انور پاشا اب دلّی جانے کے لیے خود کو تیار کر رہے تھے—شہر کی فضا ابھی بھی خراب تھی—دلّی کی ایک پرائیوٹ فرم سے انور پاشا کے لیے بلاوا آیا تھا—پھر وہ رُکے نہیں—ایک ہفتے کے اندر ہی وہ دلّی کے لیے کوچ کر گئے—

☆☆

گھر میں اب صرف تین لوگ رہ گئے تھے—گونگا اسلم، تغلق پاشا اور ارشد پاشا—تغلق پاشا اکثر و بیشتر پرانی یادوں کے حجرے میں گم ہو جاتے—ارشد پاشا اپنے مستقبل کو لے کر پریشان تھے—کاشی سے نکلنے والے ہفتہ وار مجاہد نے دیکھتے ہی دیکھتے اپنا ایک مقام بنا لیا تھا—احمد میاں وکیل کو اب سارا ہندوستان جاننے لگا تھا—صفدر کی لاٹری نکل آئی تھی۔

لیکن صوفیہ پریشان تھی—احمد میاں وکیل کی صفدر علی سے نزدیکیاں اب اسے راس نہیں آ رہی تھیں—لیکن ارشد پاشا کی خاموشی نے بھی اسے شدید نفرت میں مبتلا کر رکھا تھا—اس دن سنّاٹے میں جب احمد میاں وکیل نے پیار سے اس سے دریافت کیا—''صفدر کیسا لڑکا ہے؟'' تو صوفیہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی—وہ اس سوال کا مطلب جانتی تھی—لیکن ارشد پاشا ابھی بھی اس سچ سے کوسوں دور صرف اپنے بارے میں سوچ رہے تھے۔ صوفیہ کو اپنی دنیا ویران سی نظر آنے لگی تھی—

●●

بعد کے روز ایک سفر میں [illegible]
نازک ہوگئی —

یہی وقت تھا جب ارشد پاشا کو حادثے میں بدر کے زخمی ہونے کی خبر ملی تھی۔ وہ باہر نکلنے کو ہوا تو تعلق پاشا نے روک دیا —

'کہاں جارہے ہو؟'

جان بوجھ کر ارشد پاشا بدر کی خبر کو چھپا گئے —

'بس ابھی ایک دوست سے مل کر آرہا ہوں —'

'زمانہ خراب ہے، جلدی آجانا —'

اسلم کو دروازہ بند کردینے کی ہدایت دے کر وہ تیز قدموں سے بدر کی مزاج پرسی کے لیے نکل گئے —

☆☆

سانس تیز تیز چل رہی تھی — ارشد پاشا کو خبر ملی تھی کہ بدر اسپتال میں ہے — اور اس کی حالت نازک ہے —

وہ بھاگ رہا ہے —

دوڑ رہا ہے —

واقعات کے گھنے کہرے اس کی آنکھوں کے آگے اکٹھے ہوگئے ہیں ......
سب ایک ایک کر کے ساتھ چھوڑ رہے ہیں ......

بی اماں چلی گئیں — انور پاشا کو ان کا کیریر لے گیا — راشدہ دلہن بن کر اپنے گھر چلی گئی اور صوفیہ —

وہ صوفیہ سے لاتعلق ہو کر رہ گیا تھا — بس خبریں مل رہی تھیں ...... احمد میاں وکیل صفدر علی سے صوفیہ کی شادی کرنا چاہتے ہیں — اور یہ خبر بجلی کی طرح



ارشد پاشا دوڑ رہے ہیں ......

مگر ہر قدم جیسے موت کا اندھیرا — اب صرف خاموشی رہ گئی ہے اور گھر — ایک قید خانہ — وہ اس قید خانے میں کسی قیدی کی طرح زندگی کے دن کاٹ رہے ہیں — اس درمیان اسے سنگھ تھاپڑ اس کے کافی قریب آگیا تھا — یہ ملاقاتیں پہلے بھی ہوتی رہی تھیں — اور تھاپڑ نے ان چند ملاقاتوں میں اس کا دل جیت لیا تھا —

آنکھوں کے آگے کے اندھیرے گہرے ہوگئے ہیں —

ارشد پاشا خود کو زندگی کے اس اندھیرے میں گم ہوتا ہوا محسوس کر رہے تھے —

(2)

اسپتال کے بے رونق کمرے میں دنیا جہان کی ویرانی سمٹ آئی تھی —

'ہاں، ہم نے کرایا ہے یہ فساد ...... اور یہ فساد بار بار ہوتے رہیں گے جب جب وہ اپنی حد سے آگے بڑھیں گے، ہم انہیں روکیں گے — ہم سمجھائیں گے نہیں۔ کہ سمجھانا ہمارا کام ہے — وہ اس ملک کے لیے کینسر ہیں ...... ہم اُن کے راستے میں بارود بچھا دیں گے ......'

'ہاں ...... ہم نے ......'

ارشد پاشا کے کان میں بار بار یہ آواز گونج رہی تھی اور آنکھوں کے آگے بدر کا چہرہ لہرا رہا تھا — کوئی فائدہ نہیں ...... میں مارا جاؤں گا تو ...... ؟ کون بتائے گا۔ کہ میری آئیڈیالوجی کیا تھی ...... ؟ میں تو مارکسسٹ تھا ...... اُس کی

مذہب کے نام پر مار دیا گیا —— اب سوچتا ہوں ...... میں خیالات کی سطح پر اتنی دور کیوں نکل گیا تھا، کہ اپنوں سے کٹ گیا —— اپنوں سے ......'

وہ رو رہا تھا ——

''اپنوں سے ...... کہیں ایک درد جاگ رہا ہے ارشد پاشا —— کہیں مذہب کی بجھی ہوئی ایک قندیل حرکت میں آئی ہے —— کیا میں نے غلط کیا؟ —— ''

اسپتال میں چاروں طرف خاموشی تھی ...... جنرل وارڈ میں، الگ الگ بستروں سے زخمیوں کے کراہنے کی آواز آ رہی تھی ......

'نہیں ...... تم جا نہیں سکتے میرے دوست ...... سب ٹھیک ہو جائے گا ......'

'وہ ......'

اُس نے دانتوں کو بھینچا ...... آنکھیں ویران ہو رہی ہیں ...... دماغ کھو رہا ہے ...... مگر میرے سوالوں کو کبھی اپنے اندر بھی ٹٹولنا ارشد پاشا! اس ملک کے حوالے سے سوچنا ...... وہ درد سے مسکرایا ...... ابے سالے ...... کلمہ دے ......

'ہاں ......'

'تو پڑھ نا کیا —— کیا معلوم اوپر جنت جیسی کوئی شے ہو ......؟

اُس کی آواز رفتہ رفتہ کھوتی جا رہی تھی ...... ہو گی تو ...... تیرے لئے ایک عدد حور تلاش کر کے رکھوں گا۔ مگر سالے آنے میں جلدی مت کرنا۔ ابھی کافی عمر پڑی ہے تیری —— گھر بسا لینا ......'

آنسو جیسے دریا بن گئے تھے ...... دریا کی لہریں جوش مار رہی تھیں ...... لہریں جیسے ایک دوسرے سے ٹکراتی اپنے اپنے راستوں کو ہٹ کرنے میں لگی



آگئے —— قتل —— وہ دیر تک بدر کے پاس نہیں رہ سکتے —— بدر کے پاس وہ ...... وہ جا رہا ہے —— اتنی گہرائیوں میں —— وہ جا رہا ہے —— مگر جانے سے قبل اُن سوالوں کی زد میں ہے، جس پر کبھی زندگی میں اُس نے غور نہیں کیا —— تو کیا یہ سوال اُس کی آئیڈیالوجی کی عمارت کو مسمار کر کے نکلے تھے —— یا ——؟

یہ سوال ہمیشہ سے موجود تھے ——؟

یا ان سوالوں سے فرار ممکن ہی نہیں ہے ——'

●●

شاید زندگی ہمیشہ اپنے کاروبار میں الجھی رہتی ہے ——

اور وقت گزر جاتا ہے —— ارشد پاشا کو بس یہ خبر ملی تھی کہ شہر میں ہونے والے دنگوں میں بدر کو بھی ذرا سی چوٹ آئی ہے۔ بدر دنگا کرنے والوں کو سمجھانے کے ارادے سے نکلا تھا۔ اور ان لوگوں نے اسے زخمی کر دیا ——

موت کی اجنبی آہٹ کو اب قریب سے ہر کوئی سن سکتا تھا ——

مگر وہ آواز ——

وہ درد میں ڈوبی ہوئی آواز ——

'ہاں ہم نے مارا ہے ——'

آواز اچانک بلند ہو جاتی۔ آواز اچانک نرغے میں لے لیتی —— آواز کانوں کے پاس چنگھاڑنے لگتی

'ہاں ہم نے مارا ہے —— مگر اب یہ کوئی نئی بات نہیں رہ گئی تھی —— اب

ہو ایسے حادثوں کے الزامات اپنے سر لینا شرپسند [illegible] بات [illegible] تھی...... اور گدھ سینک انسانی لاشوں پر کھڑے فخریہ اعلان کر رہے تھے...... ہم نے مارا ہے......

اس تشدد کے بارے میں زیادہ تر بس چپ تھے...... مگر سنگھ نے نہ صرف اس تشدد کی ذمہ داری قبول کی تھی بلکہ ضرورت پڑنے پر مزید تشدد جاری رکھنے کی کھلے عام دھمکی بھی دے دی تھی ——

اس درمیان سنگھیوں کے بیانات لگا تار اخبار کی زینت بنتے رہے...... ان بیانات میں ایسا 'بہت' کچھ تھا، جس سے روحیں کانپ جاتی تھیں...... آنکھوں میں وحشت ناچ جاتی...... اور دل میں جیسے کوئی آگ کی بھٹی سلگ اٹھتی......

وہ ہر بار چونکتا اور ہر بار ٹھہر جاتا...... یہ بیانات...... وہ اندر ہی اندر خوفزدہ ہو جاتا — مگر —— اُسے ہمیشہ محسوس ہوتا...... ان بیانات پر کسی کے اندر بھی کوئی ردِ عمل نہیں ہے...... وہ لوگ جو سڑکوں سے گزر رہے ہیں، تماشہ دیکھ رہے ہیں۔ گھروں میں ٹی وی سیٹ سے لگے بیٹھے ہیں۔ اگر یہ لوگ خوفزدہ ہیں تو پھر ان بیانات پر کسی کا ردِ عمل احتجاج کی صورت میں سامنے کیوں نہیں آتا —— یا وہی اکیلا ہے جو صرف گھبرا جاتا ہے۔ باقی آرام سے جینا چاہتے ہیں۔ ایسی باتوں میں اُلجھنا نہیں چاہتے —— مگر نہیں۔ شاید ایسا ایکدم سے نہیں تھا ——

ایسے موقع پر بھی اُسے بدر کی یاد آتی تھی جو اچانک لمبی خاموشی حاوی کر کے کہا کرتا تھا —— احتجاج کو بھڑکنے کے لئے بھی کسی خاص موقع کی ضرورت ہوتی ہے...... ایک خاص مدت گزر جانے کے بعد احتجاج ٹھنڈا پڑ جاتا ہے یا مر جاتا ہے......

اُسے لگتا تھا...... نہیں، شاید ایک تیسری صورت بھی ہے...... احتجاج ابھی



کی طرح پھٹ سکتا ہے......

بدر کے آنسو ابھی بھی اُس کی آنکھوں میں لہرا رہے ہیں...... میں تو مارکسٹ تھا...... میں مر جاؤں گا تو......؟ کون بتائے گا انہیں کہ میری آئیڈیالوجی کیا تھی...... سالے کلمہ یاد ہے...... کیا معلوم اُوپر جنت جیسی کوئی شئے ہو......'

بدر —— وہ ہمت اور حوصلہ کی معراج دیکھ رہا تھا...... بدر اور زیادہ تڑپا مت بدر —— لہولہان مت کر —— یہ دل تو پہلے سے ہی لہولہان پڑا ہے...... اسے اور زیادہ زخمی مت کر...... وہ دیکھ رہا ہے...... بدر کے جسم سے زندگی جیسے غبارے کی ہوا کی طرح نکل رہی ہے...... پاؤں...... ہاتھ...... وہ اُنہیں لمحہ لمحہ اکڑتے ہوئے دیکھ رہا ہے...... جیسے ساری اذیت، ساری تکلیف آنکھوں میں بھر گئی ہو...... ہاں آنکھوں میں...... وہ مرتے مرتے بھی مسکرا رہا ہو —— آنکھوں میں گہری تکلیف کے باوجود جینے کی ایک چمک بچ گئی ہو...... پڑھ نا سالے...... مرنے سے پہلے مسلمان تو بنا دے......

شدتِ جذبات سے وہ بے قابو سا ہو گیا ہے —— وہ آنکھیں آنسوؤں کے سمندر کو روک پانے میں جیسے ناکام سی ہو گئی ہیں —— لب لرز رہے ہیں...... تھرتھراہٹ سے ہونٹ ترچھے ہو گئے ہیں...... سارا جسم کانپ رہا ہے...... اور......

لا الہ...... اللہ...... محمدٌ رسول اللہ......

لا الہ......

لفظوں پر جیسے برف کی پرت جمع ہو گئی ہے...... وہ...... جا رہا ہے...... ہمیشہ ہمیشہ کے لئے...... اُسے موت نے نہیں سلایا ہے...... اُسے بھاجپا کے ترشول نے سلایا ہے...... اُسے......

بدری مندی ہوئی آنکھیں جیسے اس کی آنکھوں میں [illegible] ہیں ...... [illegible]

رُکنا مت ...... جب تک آنکھوں میں زندگی بچی ہے، کلمہ پڑھتے رہنا۔ رُکنا مت ......

اب ــــــ آنکھوں کے آنسو خشک ہو چکے ہیں ــــــ شاید۔ شاید زندگی اور موت کے درمیان جو فاصلہ ہے ...... اُس فاصلے کو پہچان گیا ہے وہ ...... یہ فاصلہ اب ختم ہونے والا ہے ...... موت کی حقیقت ــــ ان دیکھی ان جان تسلیوں سے پہچان بھی کرا دیتی ہے ......

خدا حافظ بدر ...... خدا حافظ ......

فرشتوں جیسی مسکراہٹ چہرے پر سمیٹ کر ہمیشہ کے لئے سو گیا ہے بدر۔

اُس کے لب تھرتھرائے ...... انّا للہ ...... وانا ......

زندگی جبر کے ہاتھوں سے نکل کر کھلی ہوا میں پرواز کر گئی ہے ...... چلو اچھا ہے ...... کم از کم وہاں بچھا کر تو نہیں ہے ...... گدھ سینکوں کے پاگل کر دینے والے شور شرابے تو نہیں ہیں ...... سنگھ اور مہا سنگھ کے ہنگامے تو نہیں ہیں ــــ امام پشاوری اور وہاب الدین جیسوں کا جنون تو نہیں ہے ــــ

●●

'کیوں، کیا ہوا، اتنی رات گئے کہاں سے آ رہے ہو؟'

وہ تغلق پاشا کے کمرے کے پاس آ کر ٹھہر گیا ہے ــــ تغلق پاشا اُس سے پوچھ رہے ہیں ــــ وہ سر جھکائے خاموش کھڑا ہے ــــ کمرے میں ہلکا اندھیرا ہے ــــ تغلق پاشا کی آنکھیں، جیسے اُس کی آنکھوں میں اتر گئی ہیں ــــ اُن کا چہرہ برف کی طرح یخ ہو رہا ہے ــــ جیسے پورے وجود پر برف



[illegible] ہے، کون ہے۔

'بولتے کیوں نہیں؟ جواب کیوں نہیں دیتے۔ کہاں سے آ رہے ہو؟'

پھر جیسے ساری برف یکلخت پگھل گئی ــــ اُس نے چہرے پر جمے ہوئے برف کو ہاتھوں سے ہٹایا ــــ آنکھیں اُس بوڑھے وجود پر ٹھہر گئیں، جس نے اُس کے انتظار میں جانے کیسے رات کے اتنے گھنٹے گزارے ہوں گے ــــ

'جواب کیوں نہیں دیتے؟ ــــ'

'جواب ہی تو کھو گیا ہے۔'

وہ بہت آہستہ سے پھسپھسایا ــــ

بوڑھی آنکھوں میں لرزہ طاری تھا ــــ

'کوئی حادثہ تو نہیں ہو گیا ــــ؟'

'ہاں۔'

'کیا ہوا ہے!'

'ایک آدمی مر گیا ہے۔' وہ بہت آہستہ سے بولا ــــ ایک آدمی بس۔ جس ملک میں ہر روز کسی نہ کسی بہانے لاکھوں لوگوں کی بتائیں کر دی جاتی ہوں ــــ وہاں ایک آدمی کا مرنا کوئی معنی نہیں رکھتا ــــ ایک آدمی کے مرنے سے انسانی برادری کے وسیع و عریض خطّے میں کوئی کمی نہیں آتی ــــ بر ّ اعظم کا کوئی ٹکڑا کم نہیں ہوتا ــــ ایک آدمی تو کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتا ابا حضور ــــ بس ایک آدمی کم ہو گیا ہے۔'

تغلق پاشا نے ذرا سا کھانسا ــــ بستر سے اُٹھنے کی کوشش کی ــــ آنکھیں، اُس کی آنکھوں میں جم گئیں ــــ

'تمہارا کوئی جان پہچان والا تھا؟'

'سچ کہا ہے آپ نے ___ [illegible]
بات سے ہونا چاہئے کہ وہ آدمی ہمارا کیا لگتا ہے؟ کوئی عزیز، رشتہ دار یا
دوست ___ ؟ ممکن ہے، آنے والے کل میں ایسا کوئی سوال بھی نہ اُبھرے ___
ایسے کسی سوال کی ضرورت ہی پیش نہ آئے ___'

بوڑھے ہونٹوں نے پھر پوچھا ___ 'پریشان ہو؟'

'نہیں ___ پریشان ہونا کیسا؟' اُس کے لہجے میں کڑواہٹ بھری
تھی ___ 'موت تو تمام پریشانیوں کا سیدھا سادا حل ہے ___ جو مر گیا، نجات
پا گیا ___ جو زندہ ہیں، وہ اس نجات کے بارے میں سوچ رہے ہیں ___ کب
آئے گی موت؟

'ہار رہے ہو ___'

تغلق پاشا بستر سے اُٹھ کر دو قدم چلے ___ چال میں لڑکھڑاہٹ سوار
تھی ___ مگر آنکھیں روشن ___ آنکھیں جیسے کسی گہری فکر میں ڈوبی ہوئی تھیں ___
'کام نہیں ملا ہوگا۔ میری طرف سے بھی پریشان ہوگے ___ آگے کیا ہوگا؟ جیسے
سوالوں سے ___ مگر اِن سے کیا ہوگا ارشد پاشا؟ ان سب کے باوجود، وہ اپنے
لہجے کی تھرتھراہٹ محسوس کر رہے تھے ___ 'یعنی جو ہو رہا ہے، جو کچھ ہوا، یا جو آگے
ہوگا، اُس کے باوجود ___ تمہیں زندگی سے پیار کرنا چاہئے۔ زندگی سے پیار
کرنے کا حق ہے تمہیں ___ مجھے دیکھو ___ کیا ہے اب اس زندگی میں؟ کچھ
بھی نہیں۔ کوئی نشہ نہیں ___ کوئی خواب نہیں ___ تنہائی کا بے جا شکوہ کروں تو
جو بھی زندگی ہے، اُسے عذاب بنا لوں ___ جینا پڑتا ہے ارشد پاشا ___ اس
لئے کہ ہر طرح کے مصائب کے باوجود جیتے رہنا ایک ضرورت بن جاتی ہے۔ مجھ
سے سبق لو ___ تم بتاؤ، مجھے کیوں جینا چاہئے ___؟ جس کے پاس نہ حسرتیں



کے باوجود بھی ___ جیسے، سارے عذاب سے گزرنے کے بعد اب یہ دیکھنا چاہتا
ہوں کہ تم اپنی زندگی کیسے گزارتے ہو ___؟ اسے سنوارنے کا جتن کرو ارشد پاشا ___
اُن سوالوں کو وہیں چھوڑ دو، جس منزل سے بھٹک کر حیران پریشان اس ڈیوڑھی پر
آ کر مجسم سوال بن کر کھڑے ہو جاتے ہو؟' تغلق پاشا کی آنکھیں نم تھیں ___

'ہم تو سمجھے تھے کہ اے میر! یہ آزار گیا۔ مگر آزار کہاں جاتا ہے ___ وہ
میرا دوست تھا ___ نہیں مجھے اس کا زیادہ غم نہیں ہے، اس کا شکوہ بھی نہیں کہ یہ
دنیا ایک آدمی کے مرنے کا غم نہیں منایا کرتی ___ مجھے کوئی گلہ نہیں ہے ___ مگر
ساری زندگی ہم ایک آئیڈیالوجی کو بُنتے اور اُس سے زندگی سنوارنے میں گزار
دیتے ہیں ___ پھر کیا ہوتا ہے ___ یہ ساری زندگی کی تلاش کا حاصل ایک
نقطہ ___ جس کے لئے سو سو جتن کئے جاتے ہیں اُس ایک مرکز، ایک نقطے پر
پہنچنے کے لئے ___ مگر کیا ہوتا ہے ___ ایک بہت بے رحم لمحے میں، وہ
آئیڈیالوجی ایسے ٹوٹتی ہے جیسے کانچ کا برتن بھی نہیں ٹوٹتا ہوگا ___ ایک بہت بے
چین کر دینے والی ساعت میں زندگی کی تمام سانسوں سے بُنی گئی آئیڈیالوجی کا
مذاق اُڑانے کی خواہش ہوتی ہے..... کہ دھت، اسی لئے جئے ___ عمر تمام کی ___
زندگی کے فلسفوں کو آلام کوٹھری میں جگہ دی ___ اسی دن کے لئے ___ صرف
ایک شخص مرا نہیں ہے لیا حضور ___ آئیڈیالوجی کی موت ہوگئی ہے ___

وہ ٹھہرا تو اُس نے تغلق پاشا کو دیکھا، جن کی آنکھوں سے ایک قطرہ اشک
باوجود ضبط اور کوشش کے بہہ کر، رخسار سے ہوتا ہوا کپڑوں میں جذب ہو گیا تھا ___

'سچ کہتے ہو ___' وہ واپس پلٹے۔ تھرتھراتے قدموں سے دوبارا بستر پر بیٹھ
گئے۔ سچ کہتے ہو ___ مرنے سے زیادہ خطرناک ہوتی ہے آئیڈیالوجی کی

موت —— خوابوں کے ٹوٹنے سے نہیں زیادہ اذیت ناک —— [illegible]
گیا؟'

'بدر ——'

اُس نے آنکھیں پھیرلیں ——

اُس نے تھرتھراتی سی آواز سنی —— اِنّا للّٰہِ واِنّا اِلیہِ راجِعوُن۔

'کیا ہوا تھا اُسے؟'

ارشد پاشا کا لہجہ کسیلا تھا —— 'آسمان نہیں، زمین پر منڈراتے ہوئے گدھوں نے جان لے لی اُس کی —' وہ چیخ رہا تھا —— 'یہ کیسا ملک ہے ابّا حضور' آپ پوچھ سکتے ہیں مجھ سے کہ آج مجھے کیا ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے بھی میں نے لاشیں دیکھی ہیں۔ ایک دو تین نہیں کتنی کتنی لاشیں —— لیکن اس سے قبل کبھی بھی ایسا پاگل پن مجھ پر سوار نہیں ہوا تھا —— تہذیب اور ارتقاء کی اتنی صدیاں گزارنے کے بعد بھی حلوائی اور نا بنائی جیسے کرداروں کی اس ملک میں پوجا کیوں ہوتی ہے —— گدھ اُڑانے والے بچہ بٹھا کر ایک ریاست ہی نہیں، ملک کے ایک بڑے حصے کے ہیرو کیسے بن جاتے ہیں...... وہ لوگ، جن کے ہر ایک بول میں فرقہ پرستی کا لہو جما ہوتا ہے —— ان کے میٹھے اور سنجیدہ چہرہ پر بے گناہوں کے خون کے چھینٹے لوگ محسوس کیوں نہیں کرتے ——؟ ان لوگوں کو گولیاں کیوں نہیں ماری جاتیں —— ختم کیوں نہیں کیا جاتا —— یہ لوگ ایک ملک کے مستقبل، محافظ اور رہنما کیسے بن جاتے ہیں ——؟ ایک بڑی جماعت انہیں ہیرو کیسے سمجھ بیٹھتی ہے ——
نہیں — مجھے بتا لینے ابّا حضور —— کچھ اور بھی پوچھنا چاہتا ہوں آپ سے ——

اُس نے آنکھیں، تغلق پاشا کے کمزور ہوتے وجود پر مرکوز کر دیں —
'آج اپنے اور گھر کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ آپ کے بارے میں — ایک پرانی



—— اس ملک کی بیس کروڑ آبادی سے نہیں، صرف آپ سے پوچھتا ہوں، کہ اگر کہا جائے صرف خاندان کا اتہاس بتانے کے لئے تو کیا بتائیں گے آپ —— نہیں کچھ بھی نہیں ہے آپ کے پاس۔ خزانہ خالی ہے آپ کا اور یہی ہے سچ بات —— آپ کیا بتائیں گے ابّا حضور، یہ سچ میں بتا رہا ہوں ——

'دو بھائی تھے —— ایک بھائی ملک کی تقسیم کے بعد پاکستان چلا گیا —— اُس ملک کی تقسیم کے بعد جو پلاسی کی جنگ ہارنے کے بعد، انگریزوں کی، 200 برسوں کی غلامی کا شکار ہو گیا —— اور دو سو برس سے پہلے کی تواریخ بھی کچھ بہت زیادہ شفاف نہیں ہے —— اس میں بھی وہی تذکرے ہیں — اپنی خود غرضی کی، خون آشام جنگوں کی — اُن نفرتوں کے قصوں کی کہ بھائی نے اقتدار کے لئے بھائی کا خون بہا دیا —— آپ کے پاس اس سے زیادہ کوئی کہانی نہیں تھی کہ روپیٹ کر اس بھائی نے اپنی سلامتی کے لئے، اپنی نہیں، اپنے مذہب کی سلامتی کے لئے وہ ملک چنا جہاں اُس کا مذہب زندہ رہ سکتا تھا —— اور آپ نے ساری زندگی اُس بھائی کا دُکھڑا روتے ہوئے گزار دیا —— ایک خاتون آپ کی زندگی میں شریک سفر تھیں جو میری ماں تھیں —— خدا ترست اور اندھ وشواس کی ماری —— میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، جو گندے پولیتھن کو جمع کرتا تھا —— آپ کی وہ زندگی تھی، جو کلرک کے طور پر ڈی او آفس میں گزر رہی تھی —— ایک زہریلی ہوا چلتی ہے اور پھر —— صرف ہم اور آپ رہ جاتے ہیں —— اور کیا خبر کہ اس کے بعد چلنے والی زہریلی ہوا زندگی میں اور کیا رنگ دکھائے —— مجھے بتائیے ابّا حضور، کہ اس زندگی میں، لمبی زندگی میں — وہ کیا ہے جسے چمکتی، آنکھوں کے ساتھ بتایا جائے ——؟ جسے سناتے ہی سب اپنے ہوش کھو دیں —— کیونکہ حقیقت، یہی

ہے، ان اجالے میں ہم سے وہ وراثت چھین [illegible]
ہیں ـــــ یہ ملک، اس ملک کے نابنائی اور حلوائی ہمیں توڑ رہے ہیں ـــــ اگر، یہ
ایا حضور المیہ ہے تو اس المیہ کو محسوس کیوں نہیں کیا جاتا ـــــ؟ کوئی آدمی گولیوں
سے بھری ایک بندوق لے کر، اُن کے درمیان شامل کیوں نہیں ہوتا ـــ جانوروں
کو راستے سے ہٹانے کے لئے ـــــ گندگی صاف کرنے کے لئے ـــــ'
'نہیں یہ ہر دور میں ہوا ہے۔ ہوتا رہا ہے ـــــ' تغلق پاشا دھیرے سے
بڑبڑائے ـــ ایک قوم فاتح کہلاتی ہے اور دوسری مفتوح ـــ ایک اپنے بلند ہونے
کا جشن مناتی ہے تو دوسری اپنی بربادیوں کا ماتم منانے کی تیاری کررہی ہوتی
ہے ـــــ بولتے بولتے تھک گئے ہوگے ـــ اُجڑ میں بھی ہوں ـــــ تم سے
زیادہ اُجڑا ہوں ـــــ تم اُس عورت کے ساتھ کم رہے ـــــ میں زیادہ رہا
ہوں ـــــ کم وبیش تم سے 25-20 سال زیادہ ـــــ اُس عورت کے ساتھ جو
تمہاری ماں تھی ـــــ جو کہانی تم نے سنائی، وہ تمہیں میں بھی سنا سکتا تھا۔ مگر یہ
سب...... دل کی بھڑاس نکال کر کیا کہنا چاہتے ہو تم ـــــ بس اتنی سی بات کہ ایک
تہذیبی ورثہ ختم ہو رہا ہے ـــــ؟ تہذیب کی قندیلیں بجھ رہی ہیں ـــــ؟ پہلے ہم
سے داستانیں چھینی گئیں ـــــ پھر حقیقی زندگی سے جڑی ہوئی وہ کہانیاں جو آنے
والی نسلوں کو بتانے کے کام آیا کرتی تھیں ـــ مگر تم صرف، اتنی دیر سے صرف ایک
قوم کو ہی قصوروار ٹھہراتے کیوں آرہے ہو ـــــ؟ وہاں صرف نابنائی اور حلوائی ہی
تو نہیں ہیں ـــــ
تغلق پاشا ہانپ رہے ہیں ـــــ 'تمہیں صرف زمین پر منڈرانے والے
گدھ ہی نظر آئے؟ امام پشاوریوں اور سید باب الدینوں کی زبان میں لپٹے ہوئے
سانپ نہیں دلھائی نہ دیئے ـــ؟ آہ، قصور تمہارا نہیں ـــــ ان سانپوں کو زیادہ



[illegible]
گزاری ہے ـــ اس لئے تم سے زیادہ تاریخی خزانہ ہے میرے پاس ـــ اور اس
لئے اس حقیقت کو تم سے زیادہ پہچانتا ہوں کہ ان کے یہاں ہم سے زیادہ لبرل اور
سیکولر کردار کے لوگ رہتے ہیں ـــــ ہاں وہ لوگ جو ہم سے زیادہ نابنائیوں اور
حلوائیوں کو گالیاں دیتے ہیں ـــ اور اس جنون کے خاتمے پر ملک کے سیکولر کردار کی
فتح کے نام پر جام جشن پیتے ہیں ـــــ مگر ہمارے یہاں ـــــ ایک اجودھیا کا
المیہ ہوتا ہے ـــــ اور ہم جانتے ہیں ـــ اس المیہ کا قصوروار نفرت کی بارش کرنے
والوں سے زیادہ وہ چہرے ہیں ـــــ جو ہمیشہ سے بکتے رہے ہیں ـــــ جن کی
خون اُگلتی سرخیاں صرف اخباروں تک نہیں رہتی ہیں ـــــ پرائم منسٹر کے سامنے
جن کی گردنیں خم ہو جاتی ہیں اور جیب نوٹوں کے وزن سے جھک جاتے ہیں اور
پھر لمبے وقفے کے لئے یہ اپنی زبانیں خاموش کرلیتے ہیں ـــــ'
'تمہیں، یہ سب بتانے کی ضرورت نہیں ہے ـــ کہ یہ سب وہ باتیں
ہیں، جو اس ملک کا بچہ بچہ جانتا ہے ـــــ تم ہوا کا رخ پہچاننا ہی نہیں چاہتے ہو تو......
'پہاڑوں کو برابر کرنا ہوگا۔'
ارشد پاشا کی آواز بوجھل تھی ـــــ 'پہاڑوں کے درمیان سے راستہ
بنانے کے لئے پہاڑوں کو کاٹنا ہوگا، تراشنا ہوگا ـــــ یہ سب بارود کے دھماکے سے
ہی ممکن ہے ـــــ ان کے خاتمہ بالخیر سے ہی ایک نئی تہذیب وجود میں آسکتی
ہے ـــــ آپ نے سچ کہا۔ آپ کی نسل کو سلام ـــــ'
اُس کی آواز درد میں ڈوبی تھی ـــــ 'ہم گمراہ ہو جاتے ہیں ـــ ایک
حادثہ اچانک ہمارے لبرل کردار کو مشکوک بنا دیتا ہے ـــــ ہم مذہبی بھٹی میں
تپا دینے پر مجبور کر دیئے جاتے ہیں ـــــ شاید اس ملک کے ساتھ یہی ہوتا رہا

ہے ——

'کس کے نصیب کو کوس رہے ہو ——؟'

تعلق پاشا اُس کی طرف گھومے —— اس بار اُن کا لہجہ سخت تھا ——
باہر شام کا گھنا اندھیرا پھیل چکا تھا —— زور سے بجلی کڑکی تھی —— بجلی کی چمک کھڑکی کے شیشے پر ایک لحہ کو کوندی اور تعلق پاشا کی آواز میں کھوگئی ——

'بہت دیر سے تمہاری یہ باتیں سن رہا ہوں۔ ہمت جواب دے گئی ہے —— اب بوڑھا ہو گیا ہوں —— عقل کام نہیں کرتی —— ورنہ یہ ضرور کہتا کہ یہ سب بکواس کس کے لئے —— کہنے سے خوف کھاتا ہوں کہ گرم خون پلٹ کر بوڑھے وجود میں جواب کی سل نہ اُتار دے —— ہاں، کس سے کہہ رہے ہو یہ سب —— ان دیواروں سے —— کمرے سے؟ چھت سے یا اپنے آپ سے —— کیا یہ فریاد ہے؟ شکایت ہے یا سب کچھ اندر سے نکال کر خالی ہو جانا چاہتے ہو، انور کی طرح ——'

'شاید آپ سچ کہتے ہیں —— 'وہ آہستہ سے بولا...... سچ کہتے ہیں...... اپنا آپ خالی ہو گیا تو......؟ پھر کسی بھی طرح کی جنگ کے لئے اندر قوت کہاں رہ پائے گی —— میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ ضرورت پڑی تو آواز دے دیجئے گا مجھے......'

قدم نڈھال تھے...... آہستہ آہستہ زمین پر پڑ رہے تھے —— اس حادثے نے جیسے اُس کے جسم کا سارا خون ہی نچوڑ لیا تھا —— مگر ارشد پاشا نہیں جانتے تھے کہ ابھی ایک اور حادثہ ان کا انتظار کر رہا ہے ——

کچھ دن اور گزر گئے ——



دنیا نے تجربات وحوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

تجربات وحوادث نے ارشد پاشا کو تنہائی کے قید خانے میں ڈال دیا تھا —— اس درمیان میں وہ کسی سے بھی نہیں ملے —— اخبارات اسے کاٹ کھانے کو دوڑتے تھے ——

شاید یہی ہوتا ہے۔ زندگی کبھی کبھی آپ کا امتحان لیتی ہے۔

## (3)

باہر ابھی بھی زور زور سے بادل گرج رہے تھے —— پانی برسنے کی آواز بھی آ رہی تھی...... جھم...... جھم...... جھم...... جھم ——

باہر بارش ہو رہی ہے...... مگر ایک بارش اندر بھی ہو رہی تھی...... خیالات کا ایک سیلِ رواں تھا اور وہ مسلسل اندر سے بھیگتا جا رہا تھا...... اتنی بڑی کائنات۔ زندگی کا یہ سفر اُسے پتہ نہیں کہاں لے جائے ——

بجلی پھر زور سے چمکی تھی ——

کھڑکی پر پڑے پردے کو چیرتی ہوئی، آنکھوں میں اُتر گئی تھی بجلی...... وہ اپنے اندر کے زخموں کو کریدتے ہوئے ڈر رہا تھا...... نہیں، یہ سارے زخم اُس نے چھپا لیے ہیں...... برف کے ٹکڑے ڈال دیے ہیں احساس کے 'زخموں' پر...... کہیں زخم رسنے لگا تو......؟

باہر دستک ہو رہی ہے...... نہیں، اس وقت کون آئے گا۔ وہ بھی اس

طوفانی بارش میں ——— وہم ہے اس کا۔ اندھیرے اور تنہائی میں انسان کا واہمہ دستکوں میں تبدیل ہو جاتا ہے...... ٹھک...... ٹھک......

نہیں صرف اُس کا وہم ہے ———

آگے بڑھ کر کھڑکی کا پردہ ہٹانے کی خواہش ہوئی تو بی اماں کی آواز نے جیسے قدم پکڑ لیے ——— نوج، بارش میں کوئی چمکتی ہوئی بجلی کو دیکھتا ہے......؟'

ذہن کے دھندلے گوشے میں اب روشنی تھی اور وہاں بی اماں مسکرا رہی تھیں...... اتنی خاموشی ——— اس گھر میں تو کبھی ایسی خاموشی نہ تھی۔ پھر کیا ہوا...... سارے کے سارے کہاں کھو گئے...... آنکھوں کے پاس نمی لہرا رہی ہے......

ٹھک...... ٹھک

نہیں، کوئی واقعی ہے...... سچ مچ کی دستک ہو رہی ہے...... اُس نے کان لگایا...... ہاں سچ مچ کوئی ہے۔ مگر اس طوفانی بارش میں ——— چھت پر بارش کے موٹے موٹے قطرے گرنے کی آواز آسیب زدہ معلوم ہو رہی تھی ———

وہ اُٹھ کر چلتا ہوا دروازے تک گیا ——— پانی کی بوندیں اُسارے میں بھر گئی تھیں ——— یہیں پاس والا کمرہ ابا کا ہے۔ اُس نے ابا حضور کے کمرے کی طرف دیکھا ——— تکیہ پر سر ڈھلک گیا تھا۔ سرہانے تسبیح پڑی تھی...... مطلب، ابا حضور کو نیند آ گئی ——— وہ باہر والے دروازے کی طرف بڑھا ——— اور چٹخنی کھول دی...... اور اچانک ایکدم سے ٹھٹھک کر رہ گیا ———

سامنے صوفیہ کھڑی تھی۔ ہاتھ میں چھوٹا سا بریف کیس پکڑے ——— بارش سے شرابور ———

'تم! اس وقت ——— '

''اندر آنے کو نہیں کہو گے؟''



نہائے ہوئے تھے...... پانی کی ننھی ننھی بوندیں زلفوں سے ہوتی ہوئی پیشانی، رُخسار اور ہونٹ نم کرتی ہوئی زمین پر گر رہی تھیں...... اُس نے صوفیہ کی آنکھوں میں جھانکا ——— اُف کس قدر ہیبت ناک سناٹا ——— ایسا سناٹا تو، ایسی خاموشی تو کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے ———

'اس بارش میں......؟'

وہ اپنے لہجے کی تھرتھراہٹ خود بھی محسوس کر رہا تھا ———

'رات کافی ہو چکی ہے ——— اور میں بھیگ بھی چکی ہوں۔ ہاتھ میں بریف کیس بھی ہے ——— کیا تمہیں ان سب کے معنی سمجھانے ہوں گے ارشد پاشا ——— ؟'

اُس نے لاجواب ہو کر صوفیہ کی آنکھوں میں دیکھا ———

'معاف کرنا، کچھ عادتیں رہ جاتی ہیں ——— اندر آ جاؤ ——— '

اُس نے دروازہ بند کیا ———

باہر اب بھی پٹ پٹ کر بارش ہو رہی تھی ——— گیلری سے گزرتے ہوئے اُس نے ابا کے کمرے کی طرف نظر ڈالی۔ وہ شاید نیند میں سو گئے تھے ——— وہ صوفیہ کو لے کر کمرے میں آ گیا ——— صوفیہ کے کپڑے جسم سے چپک گئے تھے ——— اُس نے اپنی اُٹھتی چڑھتی سانسوں کو برابر کیا ——— اس بار وہ مسکرایا تھا ———

'پہلے کپڑے بدل لو ——— وہاں۔ وارڈ روب میں کچھ کپڑے ہیں۔ تب تک میں تمہارے لئے کافی گرم کرتا ہوں ——— '

صوفیہ کے لہجے میں اب بھی وہی ٹھہراؤ تھا ———

'ہاں کیوں نہیں۔'

'بہت بھیگ چکی ہوں ـــــ اس وقت چائے کی طلب ہو رہی ہے۔'

صوفیہ نے وارڈ روب کھولا، اپنے لئے ایک لباس پسند کیا اور باتھ روم میں داخل ہوگئی ـــــ

اُس نے اپنا جائزہ لیا ـــــ نہیں ـــــ اُس کی سانسیں اب بھی برابر نہیں ہوئی تھیں۔ باہر بارش تیز تھی۔ چھت سے ٹپ ٹپ کی تیز صدا بلند ہو رہی تھی۔ اُف! کمرے میں کس قدر اُمس ہے۔ کھڑکی کھول دینی چاہئے۔ کم از کم ٹھنڈی ہوا تو آئے گی۔ آگے بڑھ کر اُس نے کھڑکی کھول دیا اور اچانک ایک لمحے کو ٹھہر گیا ـــــ

وہیں کھڑکی کے قریب صوفیہ نے اپنا بریف کیس رکھا تھا۔ بریف کیس کے اردگرد ذرا سا پانی جمع ہوگیا تھا ـــــ اُسے لگا، اُس کے اندر بھی اچانک موسلا دھار بارش شروع ہوگئی ہو ـــــ اور بارش سے اُس کا پورا جسم بھیگنے لگا ہو ـــــ

ذہن کے گوشے میں کہیں، کوئی اک مسکراہٹ بجلی کی طرح کوندی ـــــ وہ پتہ نہیں کتنے برس پیچھے چلا گیا ـــــ صوفیہ مسکرا رہی ہے ـــــ صوفیہ ہوا میں لہرا رہی ہے…… صوفیہ کی آنکھوں میں اُس کی اپنی تصویر بن گئی ہے ـــــ

زندگی کے ریگستان میں،
چلتے چلتے، اچانک ایک دن بہت تھک جاتے ہیں ہم/
پھر سہارا ڈھونڈتے ہیں ـــــ



ندی کا ریلا مٹی کو کاٹتا ہوا گزر جاتا ہے……
پھر سہارا گم ہو جاتا ہے……

وہ چلتے چلتے کسی ریگستان میں گم ہوگئی ـــــ ایک دم آنکھوں سے اوجھل…… چلتے چلتے ـــــ آنکھوں میں صرف پرچھائیاں رہ گئیں ـــــ اور ـــــ پھر پرچھائیاں بھی اوجھل ہونے لگیں……

کھٹ کی آواز ہوئی ـــــ خیالوں کے سلسلے منتشر ہوئے۔ اُس نے دیکھا ـــــ باتھ روم کا دروازہ کھلا ـــــ اُس کے پینٹ اور شرٹ میں ملبوس صوفیہ کھڑی تھی…… نہیں صرف کپڑے اُس کے تھے۔ جسم صوفیہ کا تھا…… پھر اچانک…… پل میں سب کچھ گڈمڈ ہوگیا…… جسم اُس کا تھا اور کپڑے ـــــ صوفیہ کو اُس نے کبھی مرد کی آنکھوں سے نہیں دیکھا ـــــ مگر ابھی…… جیسے نظریں اُس کے جسم پر مرکوز ہو کے رہ گئیں ہیں…… اُف، کس قدر شگفتہ اور کھلا کھلا چہرہ…… کسی نوخیز پھول کی طرح…… بس ابھی ابھی جس کی پنکھڑیاں، شبنم کے قطرے سے زندگی پا کر پھیلی ہوں…… بس ابھی ابھی……

اُس کے بال ابھی ابھی گیلے تھے ـــــ ہاتھ میں ٹاول تھا۔ وہ بال سکھا رہی تھی ـــــ

اُس نے صوفیہ کی آواز سنی ـــــ

'ابا سو گئے؟'

'ہاں'

ابا جاگ گئے تو ـــــ؟

اُسے لگا، صوفیہ کی آواز میں طنز کی نشتریت ہو ـــــ

'کیا کہو گے اپنے ابا سے ——— ایک جوان لڑکی بار [illegible] تمہارے گھر آتی ہے ——— تمہارا باتھ روم استعمال کرتی ہے۔ تمہارے کپڑے پہنتی ہے، وہ بھی اس طوفانی رات میں...... بارش میں......'

'ابا سے کوئی بہانہ بنا دوں گا ———'

'ابھی بھی سچ کے اظہار سے خوف آتا ہے تمہیں ——— ؟'

وہ مستقل ناول سے بال سکھانے میں لگی تھی ——— 'جھوٹ کیوں بولو گے تم؟'

اُس کا چہرہ پتھروں جیسا سخت ہو رہا تھا ——— بولو؟ کیا میں کل غلط تھی؟ تم غلط تھے......؟ اور آج ——— اپنی کمزوریوں پر ہم جھوٹ کا پردہ کیوں ڈالتے ہیں ——— ؟ سچ کہنے کی ہمت کیوں نہیں رکھتے ——— ؟'

'مزاج ——— وہ کہتے کہتے ٹھہر گیا ——— بس، ایک مزاج بن جاتا ہے ——— ایک موسم دبے پاؤں آ کر زندگی میں ٹھہر جاتا ہے۔ پھر ہم وہی دیکھنا چاہتے ہیں جو بار بار آنکھیں دیکھتی رہی ہوتی ہیں ———'

'تم پوچھو گے نہیں کچھ؟ سوال نہیں کرو گے؟'

وہ ہنس رہی تھی......

اُس کی آنکھوں میں بچوں جیسی کھلکھلاہٹ تھی ———

وہ چونک گیا......

'اتنی رات گئے......'

'یہ تم پہلے بھی کہہ چکے ——— اتنے کمزور کیوں ہو تم ——— میری طرف نظر اٹھا کر دیکھتے کیوں نہیں ——— کرنٹ لگ جائے گا؟'



وہی...... دبے پاؤں موسم ——— 'اُس کے لہجے میں تھرتھراہٹ تھی ———

'افسوس!'

وہ ہونٹ بھینچ کر تلخی سے مسکرائی ——— 'کبھی کبھی مجھے خود پر شرم آتی ہے...... ایک وقت تھا جب میں نے تم سے محبت کیا تھا ——— تم ——— جو سیدھے آنکھ اُٹھا کر میری طرف دیکھ بھی نہیں سکتا ——— کس بات سے شرمندہ ہو آخر؟ جو ہوا اُس سے ——— یا عورت ہونے کی وجہ سے، میری طرف دیکھتے ہوئے شرم آتی ہے تمہیں ———'

اُسے ہر بار لگا، وہ اُس کے سامنے ننگا ہو رہا ہے...... اُس کے جسم کے چھلکے اُدھڑ رہے ہوں...... ایک ایک چھلکا...... وہ اوپر سے لے کر نیچے تک ننگا ہو گیا ہے ———

'صفدر کے بارے میں نہیں پوچھو گے؟'

اُس نے آنکھیں جھکا لیں ———

صوفیہ نے ناول کرسی پر رکھ دیا ——— کچھ دیر تک وہ غور سے اوپر سے لے کر نیچے تک اُسے بغور دیکھتی رہی ——— پھر بستر پر آ کر بیٹھ گئی ——— وہ اب بھی سر جھکائے تھا۔ مگر محسوس کر رہا تھا، صوفیہ کی نگاہیں اُس کے جسم پر ٹھہر کر رہ گئی ہوں ———

'بیٹھو۔ یہاں ——— میرے پاس ———'

اُس کا لہجہ حکم دینے والا تھا ——— وہ اچانک مڑا۔ غور سے صوفیہ کی طرف دیکھا ——— اُس کی آنکھیں بے نشان تھیں ——— بے حرکت ——— آوازشوں، پتھر کی طرح تھی ———

اس نے پھر دانتوں کو بھینچا ——— [illegible]
ڈرتے ہو ——— یہ ڈر تمہارے وجود میں کیوں سمایا ہوا ہے۔ کس سے ڈرتے ہو؟
بھولو مت، اسی ڈر نے ہمیں جدا کیا ——— اسی ڈر نے میری زندگی اجیرن کی ———
تم ہو گنہگار ——— تم ——— '

وہ سہما ہوا قریب بیٹھ گیا ———

صوفیہ نے دھیرے سے اُس کے ہاتھوں کو چھوا ——— ہاتھوں کو سیدھا کر کے ہتھیلی دیکھی ———

'اُف، کس قدر ٹھنڈی۔ اور کس قدر شگاف بننے لگے ہیں ہتھیلی میں ——— جیسے زندگی کی رمق چھن رہی ہو تم سے ——— '

اُس نے ہتھیلی چھوڑ دی ——— آہستہ سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھا ———

'اتنے سارے سوال اس درمیان جمع ہوگئے تھے کہ ...... ان سوالوں کو اپنے وجود سے کھرچنا ضروری تھا ——— کیونکہ سوالات بار بار مجھے پریشان کر رہے تھے ——— سن رہے ہو نا ——— سوال ناگ کے پھن کی طرح بار بار مجھ سے لپٹ رہے تھے ——— اور سارے سوالات تم سے شروع ہوتے تھے اور تم پر ہی ختم ہوتے تھے ——— بتاؤ، ہمت کی کمی کیوں تھی تمہارے پاس؟'

وہ خاموش رہا ———

'وہ کون سی کمزوری تھی کہ اِدھر ایک طرف میں دوسرے کی ہوتی رہی اور تم چپ چاپ تماشہ دیکھتے رہے ...... تم بے حس رہے ...... اپنی سرد ہتھیلی کی طرح ——— '

وہ پاؤں کے ناخنوں سے زمین کھرچ رہا تھا ———

'تمہیں کبھی غصہ بھی نہیں آیا ...... کہ ایک عورت جو تم سے پیار کرتی تھی،



بانہوں میں سما جاتی تھی ...... اور کبھی بات ہونٹوں کے لمس تک آجاتی تھی ——— تمہیں کبھی بھی غصہ نہیں آیا کہ تم ایسا ہونے سے روک سکو ——— یا کم از کم روکنے کی توفیق نہ ہو، تو کچھ جوشیلا کام کر گزرو ——— ارے تم جو بھی کرتے، میں پسند کرتی ——— میں آواز میں آواز ملاتی ——— میں تو پاپا کی وجہ سے چپ رہی، جن کے پاس میرے علاوہ کوئی نہ تھا اور تمہاری خاموشی کی وجہ سے ہوتے ہوئے کو برداشت کرتی رہی ——— یہاں تک کہ وہ ہو جانے دیا جس کے بارے میں، خواب میں بھی سوچ نہیں سکتی تھی ——— '

اُس کے ذہن میں پٹاخے چھوٹ رہے تھے ...... اُس نے پھر پلٹ کر، کانپتی نظروں سے صوفیہ کی طرف دیکھا ...... اُس کے کپڑے ...... پینٹ شرٹ ...... نہیں ——— وہ کہیں گم ہو گیا ہے ...... یا وہ صوفیہ میں منتقل ہو گیا ہے ———

وہ بہت دھیرے سے بولا ——— 'صفدر کہاں ہے ——— ؟'

'صفدر ——— ؟'

اُس کا لہجہ زہر میں ڈوبا تھا ——— 'یہ نام کیسے لے لیتے ہو تم ...... مجھے اس نام سے نفرت کی بُو آتی ہے ——— اس سے اچھے تو اُن پڑھ ہوتے ہیں ——— اخبار کا مالک بن گیا ہے ——— جھوٹی، ذلیل اور انسانوں کو ذبح کرنے والی خبریں بیچ رہا ہے ---- تم کیا سمجھتے ہو، کسی ایسے قصاب کے ساتھ میں زندگی گزار سکتی ہوں ——— ؟'

اُس کی آنکھوں سے نفرت کی پھلجھڑیاں چھوٹ رہی تھیں ...... 'بہت چھوٹے سے دماغ والا ——— بہت چھوٹے سے ——— جہاں مذہب کی دو چار باتیں آم کی گٹھلیوں کی طرح ذہن میں بو دی گئی ہیں ——— بہت چھوٹے سے دماغ

والا ——— تمہارے اردو اخباروں میں ایسے ہی [illegible]
واہیات باتیں سن سن کر اتنی بار مری کہ ڈھنگ سے مرنا بھول گئی اور وہ ——— ابھی تک وہی، مسجد اور مندر بیچنے میں لگا ہے ——— پاپا چلے گئے، تم نے خبر تو پڑھی ہوگی؟'

اُس کے لہجے میں پہلی بار تھرتھراہٹ آئی۔ اُس نے ہاتھوں سے آخری قطرے کو بھی پوچھ لیا ——— اتنی بڑی بات ——— مگر وہ ایسے کہہ رہی تھی جیسے بہت معمولی سی بات ہو ———

'موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ کوئی بھی ساری زندگی رہنے نہیں آیا ——— پاپا بھی نہیں ——— ایک دن رات میں جو پاپا سوئے تو پھر نہیں اُٹھے ——— پاپا کے جانے کا دُکھ ہوا مگر دُکھ کون کرتا ——— میں زندہ کہاں تھی ——— پاپا نے ہاتھوں سے قتل کر دیا ہوتا تب بھی اتنی تکلیف نہ ہوتی مگر اُس آدمی سے۔ وہ بھی اپنی چند روزہ خوشی کی خاطر ——— انا کی تسکین کی خاطر ——— مسلمانوں کا بڑا نیتا کہلانے کی غرض سے ——— پاپا نے اُس کے سر مونڈھ دیا ——— سوچا ہوگا، اُن کے بعد بھی 'مجاہد' کا نام زندہ رہے گا اور یہ نام یہی دھان پان سا آدمی زندہ رکھ سکتا ہے ——— یہی آدمی۔ صفدر علی۔ جسے نہ زندگی کا پتہ ہے نہ زندگی کے رنگوں کا ——— نہ زندگی کی رفتار کا۔ جسے صرف یہ پتہ ہے کہ کون سی خبریں سرخیوں میں چھاپنے سے مجاہد کی سیل بڑھ سکتی ہے ——— کمزور، دبّو اور تھکا ہارا آدمی ——— ایسے آدمی سے باندھ دیا پاپا نے مجھے ——— اور تم دیکھنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکے ——— '

وہ ذرا سانس لینے کے لئے رُکی پھر بولی ———

'بریف کیس۔ بارش کا موسم۔ میرا تمہارے پاس آنا۔ یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں ہے تمہیں کہ میں گھر چھوڑ کر آگئی ہوں۔'



——— وہ دن رات پڑھتا [illegible]

'میں نے سمجھا تھا کہ خود ہی سمجھ گئے ہوگے۔ افسوس تمہیں یہ بھی بتانا پڑا۔ ہاں میں اپنا گھر چھوڑ آئی ہوں ——— اس لئے کہ وہاں میری سانسوں کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا ——— اُٹھتے بیٹھتے ——— سوتے جاگتے میں اُس کا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی اُف ...... تم کیسے سمجھوگے کہ وہ کوئی دیکھنے والی مخلوق نہیں ہے ——— تم نے ادھر اُسے دیکھا ہے ———؟

صوفیہ کے ہونٹوں پر کڑواہٹ بھری ہنسی تھی ...... 'وہ پہلے سے بھی بہت بدل گیا ہے۔ اُس کی خشخشی داڑھی بڑھ گئی ہے ...... بھیانک ...... بہت بھیانک لگنے لگا ہے ...... پہلے وہ صرف مسخرا لگتا تھا ...... گھٹنے سے ذرا نیچے تک کا تنگ پاجامہ۔ ڈھیلا ڈھالا کرتا اور سر پر جناح ٹاپ ٹوپی ——— اُسے ایک لمحے بھی برداشت نہیں کیا جا سکتا ...... میں تو کیا کوئی بھی اُسے برداشت نہیں کر سکتا ——— میں تو ہرگز نہیں ——— '

'پھر تم نے اتنے دنوں تک ———؟'

وہ کہتے کہتے رُک گیا ———

صوفیہ نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا۔ اُس کے لہجے میں ناگواری تھی ——— 'تم نے کیا سمجھا ——— صاف صاف کیوں نہیں پوچھتے کہ اتنے دنوں تک میں نے اُس کے ساتھ زندگی کیسے بسر کی۔ اس کا بس ایک جواب ہے ——— اُس کے ساتھ زندگی بسر ہی نہیں کی ———

وہ ہنس رہی تھی ——— یوں تعجب سے مت دیکھو۔ اُن دنوں کی دھوپ اور صبح کی سپیدی سے نفرت کرنے کو دل چاہتا ہے ——— جن دنوں میں تم سے ملا کرتی تھی ...... تم مجھے اتنا بھی نہیں سمجھ سکے ...... اتنی ڈھیر ساری ملاقاتوں کے بعد بھی '

وہ ایک لمحے کے لئے ٹھہری ——— اور بارش کی طرح جیسے اُس کے اندر کا
غبار ایک بار پھر سامنے آ گیا ———

'سچ یہ ہے کہ ہم دونوں کے درمیان بس ایک سمجھوتا ہوا تھا۔ سمجھوتہ ———
تمہیں عجیب لگے گا ——— مگر وہ مجھ سے ڈرتا تھا ——— خوف کھاتا تھا۔ رات کے
وقت وہ میرے کمرے میں آتے ہوئے ڈرتا تھا۔ ساتھ کمرے میں رہنا مجبوری تھی
مگر ہم دونوں الگ سوتے تھے ——— شادی کے دن سے، کبھی بھی اُس کی مجھ سے
کچھ بھی پوچھنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ وہ کبھی تاخیر سے گھر آتا تو کمرے
سے باہر ہی سو جاتا مگر کمرے میں داخل ہونے سے اُس کے بدن کا رواں رواں
کانپتا تھا ——— بزدل، امپوٹنٹ ———'

وہ پھر ہنسی ——— 'ڈرومت، مجھے غلط مت لو ——— ایسے لوگوں کو ایسے ہی
ناموں سے یاد کرنا چاہئے ——— امپوٹنٹ ——— وہ جب تک کمرے میں رہتا، میں
دیکھ دیکھ کر کڑھتی تھی۔ کہ وہ کیسے کروٹیں بدلتا ہے...... اُس کے بدن کی ہڈیاں کیسے
چٹختی ہیں۔ چہرے پر کی خشخشی داڑھی کتنی گھناؤنی دکھتی ہے...... اور...... تنگ پائجامہ
سے نکلا ہوا، اُس کا سکڑا ہوا پیر کتنا بدنما دکھتا ہے ——— وہ میرے لئے قابلِ رحم بھی
نہیں تھا ———

صوفیہ نے پلٹ کر اُس کی طرف دیکھا...... مگر، تم کیا تھے ارشد
پاشا ——— فلسفوں کے جنگل میں زندگی تلاش کرنے والے، تم کیا تھے......؟ تمہاری
عمر فلسفے کی جس شراب میں ڈوبی تھی، اُس شراب کا کیا ہوا؟ سنو، اِدھر دیکھو......'

بستر سے اُٹھ کر وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اُس کے سامنے
آ گئی ——— باہر بوندا باندی اب بھی زور زور سے ہو رہی تھی...... ہوا کے زور سے



جاری تھی...... اُس کے دماغ پر لگاتار ہتھوڑے برس رہے تھے ———

سنو، ارشد پاشا...... 'دیکھو...... اِدھر دیکھو ——— میری طرف ———'

وہ اُس کے سامنے تن گئی تھی...... پینٹ شرٹ ——— سچ ہے اُس نے
آنکھیں جھکا لیں ——— کبھی اس روپ میں، اس سے قبل اُس نے صوفیہ کو نہیں
دیکھا تھا...... اُس کے جسم میں ہلچل سی ہو رہی تھی...... نہیں ——— جیسے وہ شریانوں میں
دوڑنے والے، گرم خون کے لاوے بجھ رہا تھا، دراصل وہ خوف کی قسمیں تھی ———
اس سے زیادہ کچھ نہیں......

میری طرف دیکھو ——— ڈرتے کیوں ہو؟

وہ تیز آواز میں چلائی ——— کیوں؟ میری طرف دیکھو گے تو میرا جسم ننگا
ہو جائے گا تمہاری نظر میں......؟ یا میرے جسم کے اعضا تمہاری نظر میں چبھنے لگیں
گے۔ کوئی قیامت تو نہیں آجائے گی ارشد پاشا ——— میں پھر کہتی ہوں ——— دیکھو
میری طرف......؟'

اُس نے سہما سہما سا اپنا چہرہ اٹھایا ——— صوفیہ کے چہرے کی سختی آ سے
پہلے سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی لگی۔

'اب سنو ارشد پاشا ——— جو پوچھتی ہوں، جواب دو۔ کل، جب ہم ملتے
تھے، کبھی تمہیں مجھے چھو لنے کا خیال نہیں آیا ———؟ چھونے؟ ہاں چھو لنے کا خیال ———
مجھے پانے کا خیال ——— جیسے میں قریب ہوں، تو تمہارے اندر ایک بجلی چمکی
ہو...... خون میں اُبال آ گیا ہو ——— میرے جسم سے بجلی کی ترنگیں پھوٹ رہی
ہوں...... یا ——— تم نے صرف مجھے ایک مقدس ہستی ہی سمجھا۔ ایک بُت سمجھا۔ اور
بُت کو مقدس مان کر ذہن کے فریم میں بند کر لیا۔ سیتا کی طرح، مریم کی طرح ———

خیال نہیں آیا...... کیوں ارشد پاشا ـــــ؟

وہ زور سے کھلکھلائی۔ 'چلو مان لو ـــــ میرے سامنے ڈرتے ہو گے تم۔ مگر ہر مرد کی ایک نفسیات ہوتی ہے۔ نفسیات نہ ہو تب بھی...... عورت اور مرد کے درمیان ایک رشتہ تو مشترک ہوتا ہے۔ ضرورت کا رشتہ ـــــ تم لوگ عورت کو تقدس کی دیوی اور بت بنا کر، اُسے فریم میں 'مڑھا' کر کیوں رکھ دیتے ہو۔ کیا سمجھتے ہو ـــ اس سے وہ عورت خوش ہو جائے گی۔ تمہارے بارے میں سوچے گی کہ تم سے زیادہ شریف مرد تو دنیا میں کوئی نہیں ـــــ اسے گالی مت سمجھنا۔ ایسے شریف مردوں کی نسل سے زیادہ بہتر تو کارتک کے کتے ہوتے ہیں ـــــ'

اُس کا چہرہ آڑی ترچھی، جانے کتنی لکیروں سے بھر گیا تھا۔ مگر اُس کی سانسوں میں، لہجے میں توازن برقرار تھا ـــــ

'ارشد پاشا، ابھی بھی وقت ہے۔ بدل جاؤ ـــــ اچھا سنو، چلو میرے سامنے تم کبھی نہیں کھلے...... مگر اپنی تنہائی میں، اپنی راتوں میں...... جب کوئی بھی نہیں ہوتا تھا تمہارے پاس، تب؟ کیا صرف یادوں میں مجھے دیکھ کر خوش ہوتے تھے، بہلتے تھے ـــ؟ میں جانتی ہوں ارشد پاشا...... تم جیسے لوگ اپنی تنہائی سے بھی ڈرتے ہو۔ تنہائی، جہاں کوئی نہیں ہوتا ـــ وہاں بھی مجھے ادھیڑنے یا کھولنے کی ہمت نہیں کر سکتے تھے تم...... کیوں ارشد پاشا...... جانتے ہو...... اس کھولنے اور عورت مرد کے کھلنے کے عمل سے کیا جنم لیتا ہے ـــ؟'

اُس کے چہرے پر بلا کی سنجیدگی تھی ـــــ

'تب سچا پیار جنم لیتا ہے ارشد پاشا۔ سچی محبت جنم لیتی ہے۔ تم لوگوں نے انسانی نفسیات کے بھی بٹوارے کر رکھے ہیں۔ احساس کو بھی بوجھ بنا رکھا ہے ـــــ



مرد اور عورت ـــــ [illegible] کرے ہے اتنا بڑا [illegible]
جذبات اور محبت کی اصل کلید ہی کھوگئی لگتی ہے ـــــ وہ، جو دل کو صحیح معنوں میں دل سے جوڑے رکھتی ہے...... مگر نہیں...... عمر کے نشے میں تم لوگ صرف ایک گلیمر بھرا پل بناتے ہو اور جادو کی طرح گزر جاتے ہو ـــــ پھر جو بھی ہوتا ہے وہ انسانی تقاضوں سے الگ ہوتا ہے...... اور نقلی ہوتا ہے ـــ جب تم اپنی، اپنے جسم کی مانگوں کو نہیں سمجھ سکتے، تم دنیا کی مانگوں کو کیا خاک سمجھو گے ـــ یا دنیا کے مسائل کیا خاک سلجھاؤ گے...... تم ذبح ہوتے رہو گے...... بس اسی طرح ـــ جیسے کہ آج ہو رہے ہو...... ابھی اس وقت ـــــ مجھے دیکھو......

صوفیہ بچوں کی طرح مسکرائی ـــ ایک لمحے میں وہ ساری سنجیدگی اُس کے چہرے سے عنقا تھی...... جیسے وہ ہر لمحہ اُسے تول رہی ہو ـــ وزن کر رہی ہو ـــ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ ایک لمحے کو پھر اُس نے اپنی نگاہیں، اُس پر مرکوز کر دیں اور دوسرے لمحے جو ہوا، اُس کی تاب نہ لا کر، وہ ہڑبڑا کر کھڑا ہو گیا۔ جسم میں لرزش سی ہوئی ـــ اُس نے نگاہیں جھکا لیں ـــ

صوفیہ ایک لمحے کے لئے نہیں جھجھکی ـــ ایک جھٹکے سے اُس نے شرٹ کے سارے بٹن کھول ڈالے ـــ روشنی میں اُس کا روشن شفاف سینہ کسی چھلاوہ کی طرح چمکا ـــــ اور وہ ـــ اچانک خوف سے سہم گیا ـــ

جسم سے جیسے نور ہی نور بہہ رہا تھا ـــ مصفّٰی سینہ کی گولائیاں روشنی میں یوں چمک رہی تھیں، جیسے سفید شفاف تاروں میں بجلی دوڑ رہی ہو ـــ

وہ چیخی...... 'مجھے دیکھو ـــ میں ہوں ـــ مجھے محسوس کرو ـــــ آنکھیں بند مت کرو ارشد پاشا ـــــ آخر تم کیوں نہیں دیکھ سکتے مجھے۔ تمہاری دوست ہوں میں ـــــ اور یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں ـــ دوسروں کے ایسے جسم ـــ تنہائی

[illegible] جائے تمہارے سامنے ہی بار لہرائے ہوں [illegible]
پاکیزگی کی ایک چادر ہم دونوں کے بیچ تان دی ہے تم نے ـــــ دیکھو، میں نے اپنے آپ کو کھول دیا ہے ارشد پاشا ـــــ میں نے اپنے اور تمہارے درمیان سے غیر ضروری حیا کی یہ دیوار اٹھا دی ہے...... دیکھ مجھے ارشد پاشا ـــــ'

مگر وہ......

اُس کی سانسیں پھول رہی ہیں......

ذہن پر پتھراؤ چل رہا تھا۔ پاؤں کانپ رہے تھے...... جسم ہوا کے زور سے ڈول رہا تھا...... ایک عجیب طرح کی لرزش حاوی تھی...... ہونٹ لرز رہے تھے...... پوری طاقت لگا کر وہ چیخا......

'صوفیہ۔ بند کرو...... بند کرو یہ سب......'

صوفیہ نے نفرت کے ساتھ منہ پھیر لیا۔ سرعت کے ساتھ اُس کے ہاتھ شرٹ کے بٹن بند کرنے لگے ـــــ

'جانتی ہوں ـــــ تم پڑھ بھی نہیں سکتے۔ جسم کو پڑھنا آسان بات نہیں ہے...... اور میری طرف سے کوئی غلط فہمی مت پالنا ـــــ میں کوئی گری ہوئی رنڈی نہیں ہوں جو بارش کی اس طوفانی رات اپنے جسم کی جاگی ہوئی بھوک یا بڑھتی ہوئی مانگوں کو لے کر، بریف کیس اٹھا کر تمہارے گھر میں آ گئی ـــــ میں تو صرف تمہیں تمہاری اوقات دکھانا چاہتی تھی ارشد پاشا...... کہ تم یہ بھی نہیں کر سکتے۔ تم بند آنکھوں سے نظارے تو کر سکتے ہو۔ مگر ـــــ تم لوگوں نے ضمیر نام کی سنجیدہ چیز کو خواجہ سرا بنا رکھا ہے ـــــ میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتی تھی کہ یہ صدی تم جیسوں کے لئے نہیں ہے ـــــ تم میں اور صفدر علی میں بہت زیادہ فاصلہ نہیں ہے ارشد پاشا...... تم دونوں بہت قریب قریب کی چیز ہو ـــــ اور تم دونوں کے ذہن بھی قریب قریب



[illegible] رہا ہیں......
وہ مسکرا رہی تھی...... 'چلو بہت ہوا...... سو جاؤ تم...... رات کافی ہو گئی ہے......' 'ہاں' رات کافی ہو گئی ہے...... آج رہوں گی۔ کل سوچوں گی، مجھے کیا کرنا ہے...... اب تم بتاؤ۔ تم کہاں سوؤ گے...... یا مجھے کہاں سونا چاہئے۔ ڈرو مت...... کبھی کبھی صفدر علی بھی میرے کمرے میں سو جاتا تھا...... یہ اور بات ہے، میری طرف دیکھتے ہوئے بھی اُس کی روح خوف کھاتی تھی......'

ارشد پاشا کے قدم زمین میں دھنس گئے تھے...... یوں تو کھلی کھڑکی سے ٹکرا کر ٹھنڈی ہوا کمرے میں پھیل رہی تھی، مگر اُس کے جسم کے اندر اُمس بڑھتی جا رہی تھی...... جیسے کوئی دھواں ہو، جو پھیلتے پھیلتے دماغ تک پہنچ چکا ہو...... لفظ انگارے کی طرح اُسے جلا رہے تھے...... وہ جس قدر اپنے کانوں کو بند کرتا، کانوں کے پاس تیز نگاڑے بجنے شروع ہو جاتے...... وہ چلتا ہوا کھڑکی کے قریب آ گیا...... کھڑکی کی سلاخوں کو اُس نے مضبوطی کے ساتھ تھام لیا...... مینہ کی بوندیں ذرا ترچھی ہو کر اُس کے چہرے تک آنے کی کوشش کر رہی ہیں...... اُسے لگا، دنیا کے تمام سمندر اُس کے دل کے گرد پھیلنے جمع ہونے لگے ہوں......

پانی کے کچھ چھینٹے دوبارہ اُس کے منہ تک آئے...... لیکن اس بار اُسے کچھ بھی احساس نہ ہوا...... دراصل وہ اندر کی مسلسل بارش سے شرابور ہو چکا تھا...... کچھ میلی، مٹ میلی سی، دھندلی سی تصویریں Retina پر بننے لگی تھیں......

اُس نے پلٹ کر دیکھا...... صوفیہ مسکرا رہی تھی...... وہ کونسا سال تھا...... دن کون سا تھا ـــــ؟ اور تاریخ...... اُسے صرف صوفیہ کی باتیں یاد رہی تھیں......

'سنو، ایک دن جب بوڑھے ہو جاؤ گے تم...... تو...... کیسے نظر آؤ گے۔ تمہیں ہر وقت دیکھتی اور سوچتی رہی ہوں۔ تمہارے چہرے پر جھریوں کا جال پھیل

یہاں...... یہاں...... وہ اُس کے چہرے کو چھو رہی تھی...... اور یہاں ماتھے پر......

تب جانتے ہو کیا ہوگا۔ بڑھاپے میں—مسکراتے ہوئے اُس نے منہ بنایا——

مجھے بڑھاپے سے نفرت ہے۔ کتابوں میں بہت دیکھا ہے بڑھاپا—— بڑھاپے کے بارے میں بہت پڑھا ہے...... تب ہوس کی ایک چھپی ہوئی آگ تمہارے ہونٹوں پر ناچے گی—— ہوتا ہے...... کئی بوڑھے، عمر کی ندیاں پار کر کے خطرناک ہو جاتے ہیں—— جیل میں بلاتکار کی سزا کاٹنے والے قیدی سے زیادہ خطرناک—— مگر میں اس بڑھاپے کا تذکرہ لے کر کیوں بیٹھ گئی ہوں......'

وہ کھلکھلائی...... سنو ارشد پاشا—— 'کبھی دیکھا ہے خود کو پہچانا ہے—— تمہارا چہرہ کتنا خوبصورت ہے—— تمہاری آنکھیں—— تمہارے ہونٹوں پر، ابھی بھی، اس قدر سرخی اور کشش ہے کہ...... بولو، کبھی تم سے آج سے پہلے کسی نے اس طرح تمہارے ہونٹوں کے بارے میں تعریف کی ہے۔ تم سچ مچ خوبصورت ہو—— خوبصورتی عظمت کا ایک حصہ ہے۔ خوبصورتی عظمت سے زیادہ بڑی شے ہے—— کیونکہ خوبصورتی کوئی دلیل نہیں مانگتی—— خوبصورتی کے لئے بس خوبصورت ہونا کافی ہوتا ہے—— آنکھوں کو بھلا لگنا...... سورج کی روشنی، موسم بہار کا حسن اور چاند کا نیم تاریکی میں، سناٹے پانی میں عکس—— ان کے ابدی حسن کے لئے بھی کوئی دلیل نہیں ہے...... کیونکہ یہ ہمیشہ سے ہیں، حسین اور آنکھوں میں خوبصورت خوابوں کی طرح اُتر جانے والے...... اور میرے لئے خوبصورتی سے بڑھ کر دنیا میں کچھ بھی نہیں ہے...... مجھے لگتا ہے...... ہم ایک لفظ کہتے ہیں—— خوبصورت—— اور ایک دنیا ہمارے شامل ہو جاتی ہے...... ایک پوری کائنات کا حسن، قدرت کے ہونے کا فلسفہ اور خود پر یقین کرنے کا بھرم......'



آئیں... لڑکیوں کے بارے میں یوں بھی کہا جاتا ہے کہ معمہ ہوتی ہیں، مگر تم تو کچھ زیادہ ہی معمہ ہو۔ ایک ایسی پہیلی، جسے کم از کم میں نہیں بوجھ سکتا——'

صوفیہ مسکرائی تھی——

'ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ معمہ اور پہیلی کہہ کر تم اُس سامنے والی لڑکی کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے—— اور اپنی آسانی کے لئے اُسے پہیلی کہہ کر فرار کا راستہ اپنا لیتے ہو—— میں تو کچھ اور کہہ رہی تھی ارشد پاشا—— تم خوبصورت ہو تو سمجھ لو، قدرت نے تمہیں بناتے وقت خوشی خوشی آدھی کائنات یوں بھی تمہارے حوالے کر دی—— اور تمہیں بس تھوڑی سی جنگ کرنی ہے، اُس باقی بچی کائنات کے لئے—— ذرا سوچو یہ خوبصورتی کتنے دنوں تک محفوظ رکھ سکتے ہو تم؟ دو سال—— چار سال—— دس سال—— پھر جب آنکھوں کے آگے سیاہ حلقے پڑنے لگیں گے—— چہروں پر جھریوں کا جال بچھنے لگے گا—— قدموں میں تکان آ جائے گی—— اور آئینہ تمہیں ڈسنے لگے گا—— یعنی جب وہ آدھی جنگ بھی نہیں لڑ پاؤ گے اور تمہاری خوبصورتی کا زوال شروع ہو چکا ہوگا، تب—— ؟ تمہیں اُس دن سے ڈر نہ ہوگا—— '

'تمہاری طرح تمہاری باتیں بھی انوکھی ہیں—— ' وہ بہت دھیرے سے بولا—— اس لئے کبھی کبھی تم سے ڈر سا لگنے لگتا ہے—— '

●●

ہوا اچانک تیز ہو گئی—— اُسے لگا، سارا کمرہ ناچ رہا ہو۔ گھوم رہا ہو۔ اُس نے دیوار گھڑی پر نظر ڈالی—— ایک بج کر دس منٹ ہو گئے تھے—— رات

سوگئی تھی ـــــ مگر اس رات کے بعد؟

باہر شاید طوفان آیا ہوا ہے ــ مگر طوفان تو اُس کے اندر اُٹھ رہا تھا......
اس رات کے بعد ــ اس بھیانک رات کے بعد ــ اس رات کے بعد کی صبح کیسی ہوگی ؟ دیوار گھڑی ٹک ٹک کررہی ہے ــ اُس کی آنکھوں میں نیند کے ڈورے تیر رہے ہیں مگر ــ الفاظ کی برچھیاں اُسے مسلسل زخمی کررہی ہیں......
وہ صوفیہ کو اپنے کمرے میں چھوڑ کر آگیا۔ اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتا تھا ــ اُس نے اپنا چہرہ آئینہ میں دیکھا اور چونک پڑا ـــــ شکن زدہ چہرہ...... چہرے پر پڑی ہوئی انگنت لکیریں ــ کہیں کہیں بالوں کے درمیان ایک سفید سا بال بھی نظر آجاتا ــ آنکھوں کے پاس گہرے حلقے بھی نمایاں ہورہے تھے......
تو کیا اُس کی خوبصورتی کا زوال شروع ہوگیا ہے؟ کوئی حوصلہ؟ کوئی مضبوطی؟ زندگی جیسے کسی اندھیری سرنگ میں گم ہوگئی لگتی ہے ــ مگر...... وہ کیا کرسکتا ہے ــ

'تم میں اور ــ صفدر علی میں بہت زیادہ فرق نہیں ہے'
'تم میں اور ــ صفدر علی میں ــ'
'تم میں اور ــ صفدر ــ'
'تم میں اور ــ'

آئینہ کے سامنے وہ حیران سا کھڑا ہے ــ جسم پسینے سے شرابور...... دل بیٹھا جارہا ہے۔

ـــــ بیہوشی اُس پر طاری ہورہی ہے......
ساری دنیا گھوم رہی ہے ــ



(4)

جانے کب اُسے نیند آگئی۔ جبکہ عام طور پر ان حالات میں نیند نہیں آتی...... نیند اچانک ہی کھلی تھی۔ کھڑکی سے سورج کی نرم شعائیں کمرے میں داخل ہوگئی تھیں...... اُس نے دیکھا...... کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ مگر سر بھاری بھاری تھا...... باہر بارش کا نام ونشان تک نہ تھا ـــــ اس کے برخلاف چمکیلی دھوپ کمرے میں بھرگئی تھی...... اچانک اُسے سب کچھ یاد آگیا...... اُس نے گھڑی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا...... سانسوں کے زیروبم میں ہلچل سی مچی ـــــ وہ زمین پر ہی سوگیا تھا۔ کپڑے کی گرد جھاڑتا ہوا اُٹھا اور تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگا ـــــ مگر ـــــ اچانک ہی ٹھہر گیا......

دروازہ کھلا تھا ـــــ کھڑکی کھلی تھی۔ کھڑکی کے پاس رکھا ہوا صوفیہ کا بریف کیس غائب تھا ـــــ اُس نے بستر پر نظر ڈالی ـــــ بستر پر شکن ضرورت تھی، جو رات کسی کی موجودگی کی گواہی دینے کے لئے کافی تھا۔ مگر بستر خالی تھا ـــــ وہ اُٹھتی چڑھتی سانسوں کے ساتھ کافی دیر تک کمرے میں کچھ تلاش کرتا رہا۔ مگر اب وہاں تھا ہی کیا ـــ ہاں، مگر ایک عجیب سی خوشبو کمرے میں رچی بسی تھی۔

وہ نیم غنودگی کے عالم میں تھا۔ گھبرا کر وہ دوبارا بستر پر بیٹھ گیا ـــــ اُس کا ذہن سائیں سائیں کررہا تھا ـــــ اب اس بات پر زیادہ غور کرنے کی

ضرورت نہیں تھی کہ صوفیہ جا چکی تھی......

مگر سوال تھا...... وہ کب گئی؟

کیا رات میں ہی چلی گئی؟

مگر کہاں گئی ہوگی ——؟

کیا دوبارا صفدر علی کے یہاں؟

کیا وہ صبح ہونے کے بعد گئی؟

یا، رات میں ہی اُس کے جانے کے بعد ہی اُس نے یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا؟

اگر وہ صفدر علی کے یہاں نہیں گئی تو پھر کہاں گئی ——؟

اُس کا دل قطعی طور پر یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ وہ دوبارہ صفدر علی کے یہاں گئی ہوگی —— پتہ نہیں اُس نے، اُس کے بارے میں کیا سوچا ہوگا۔ رات میں کہے گئے صوفیہ کے جملے اُسے یاد آرہے تھے......

اور ایک بار پھر ارشد پاشا کو اپنا ذہن ڈوبتا ہوا محسوس ہورہا تھا ——

☆☆

اُس کی باتیں سن کر بھی تھاپڑ کے چہرے پر کوئی ردِ عمل نہیں تھا...... وہ خاموش بیٹھا ہوا میز تھپتھپا رہا تھا۔

'یہ کیا ہوگیا ہے تمہیں۔ ارشد پاشا کو غصہ آیا —— 'میں اتنا پریشان ہوں اور تم ہو کہ میری کوئی فکر ہی نہیں ——'

'وہ اور کیا کرتی؟'

'مگر وہ بغیر بتائے چلی گئی۔ اُسے جانا تھا تو وہ کہہ کر بھی جا سکتی تھی؟'

'تمہیں بتا کر جاتی، جو اتنا کچھ سننے کے بعد بھی نامرد بنا رہا —— 'تھاپڑ



'مگر جواب میرے پاس بھی تو تھا...... میں بھی تو ——'

'اب وہ جواب جو تم صوفیہ کو نہیں کہہ سکے، وہ مجھے بتانا چاہتے ہو۔ یہی ہے نامردی ——'

'وہ مجھے سننے کو تیار کب تھی؟'

اس بار تھاپڑ کے لہجے میں کرختگی تھی —— 'کیا تم وہ سب سننے کو تیار تھے جو صوفیہ تمہیں سنا رہی تھی —— میں نے تمہیں دو بار نامرد کہا —— لیکن تم نے ایک بار بھی مجھے ٹوکا نہیں —— اعتراض نہیں کیا مجھ پر —— جانتے ہو کیوں —— اس لئے کہ تم اندر سے مردہ ہو گئے ہو اور صوفیہ بھی اسی لئے چلی گئی ——'

'مجھ میں اور میرے بھائی میں یہی فرق تھا۔'

ارشد پاشا نے نظریں جھکا لیں —— آج تجزیہ کرتا ہوں تو لگتا ہے، کئی مقام ایسے تھے جہاں وہ درست تھا اور میں غلط —— کم از کم اُس کے اندر بغاوت کا جذبہ تو تھا۔ آگ تو تھی اور میں —— فقط، مصلحت پسند لفظوں کا کھلاڑی ——

'کیوں ہے ایسا؟'

تھاپڑ کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں —— 'کبھی غور کیا ہے تم نے؟ کیونکہ ہم سب کو سسٹم نام کے اجگر نے جکڑ کر مردہ کر رکھا ہے —— ارے، یار یہ وہ ملک ہے، جس پر جتنا غور کرو —— قہقہہ لگانے کو دل چاہتا ہے —— اس ملک میں بیک وقت اکیسویں صدی اور موہن جوداڑو دونوں تہذیبیں یکساں طور پر چل رہی ہیں —— ایک ترقی کی باتیں کرتا ہے۔ دوسرا رتھ دوڑاتا ہے ——

ہے— کبھی کبھی یہ ذہن چکرا کر رہ جاتا ہے— اور ایک وقت آتا ہے
جب دماغی طور پر ہم کسی لائق نہیں رہ جاتے— ہمارا دماغ سوچنا سمجھنا بند کردیتا
ہے—'

●●

یہ وہی وقت تھا جب حکومت اپاہج ہو کر رہ گئی تھی— اجودھیا میں دور دور
سے سادھو سنت جمع ہونے لگے تھے— 'ایک دھکا اور دو بابری مسجد توڑ دو' کی صدا
ہر گلی کوچے سے بلند ہو رہی تھی—

ہندوستان کی تاریخ ایک نیا باب لکھنے کی تیاری کر رہی تھی—



## چل خسرو گھر آپنے

زہریلی ہوائیں چلتی رہیں۔ ابا حضور تغلق پاشا کو اب موت کا احساس
ڈرانے لگا تھا۔ انور پاشا نے خاموشی سے شادی کر لی۔ اب وہ گھر کے بٹوارے کی
ضد پر اتر آئے تھے۔ تغلق پاشا آنکھیں بند ہونے سے پہلے ارشد پاشا کی دلہن کو
دیکھنا چاہتے تھے۔ صوفیہ نے صفدر علی سے طلاق لے لی تھی۔ اب وہ خود مجاہد کی ذمہ
داری سنبھالنے لگی تھیں۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا— لیکن حالات ویسے ہی تھے۔ تغلق پاشا نے
اپنے ایک قریبی دوست کی لڑکی کا ہاتھ ارشد پاشا کے لیے مانگ لیا۔ رباب دلہن
بن کر گھر میں آگئی— شادی کے دو مہینے بعد ہی تغلق پاشا نے ہمیشہ کے لیے
آنکھیں موند لیں— تغلق پاشا کے انتقال کی خبر سن کر انور پاشا اکیلے آئے۔ اس
بار وہ بٹوارے کے ارادے سے آئے تھے۔ گھر کا بٹوارہ ہو گیا۔ اور انور پاشا اپنے
حصے کی زمین بیچ کر بنگلور واپس چلے گئے— ارشد پاشا بھی اب کاشی میں رہنا نہیں
چاہتے تھے۔ تھاپڑ کا خیال تھا کہ کیوں نہ دلی چلا جائے— تھاپڑ کو یقین تھا کہ دلی
کے اخباروں میں کوئی نہ کوئی جاب مل جائے گی—

صورتحال بد سے بدتر ہوتی جارہی تھی۔

آسمان میں گدھ ناچ رہے تھے— اور یہ وہی وقت تھا جب ارشد پاشا
اور رباب کی زندگی میں ایک پھول کھلا تھا— اس پھول کا نام اسامہ رکھا گیا—

زندگی ایک نئی کروٹ لے چکی تھی—

رباب کے آنے سے اچانک زندگی بدل گئی تھی— شروع میں وہ کھوئی

تھیں — وہ دبی زبان میں کہتی۔

'اب بیٹا آ گیا ہے۔ بیٹے کے لیے تو کچھ کرنا پڑے گا نا.....؟'

'ہاں۔'

'انور دلی سے بنگلور چلے گئے — ہم ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں تو آشیانے بدل جاتے ہیں۔ ہے نا۔ راشدہ لکھنؤ چلی گئی —'

ارشد پاشا نے اس کی آنکھوں کی گہرائی میں جھانکتے ہوئے پوچھا۔ تم کہنا کیا چاہتی ہو۔'

'تھاپڑ بھائی صاحب کی طرح میں بھی کہوں گی۔ چلو۔ صحافت کے لیے وہاں زیادہ گنجائش ہے۔'

ارشد پاشا کاشی کے ایک چھوٹے سے اردو اخبار میں تھے۔ لیکن جو تنخواہ ملتی تھی۔ اس سے زندگی کے دن نہیں گزارے جا سکتے تھے۔ پھر یہاں صحافت بھی تسلی بخش نہیں تھی۔ زیادہ تر نقل یا ترجمے کے کام ہوتے تھے — مہینے کے آخری دن ہوتے ہوتے ان کی پریشانیاں بڑھ جاتیں۔ پریشانیوں کی ایک وجہ حالات کا خراب ہونا بھی تھا —

اس دن ارشد پاشا، تھاپڑ کا انتظار کر رہے تھے — تھاپڑ نے دلی جانے کا فیصلہ کر لیا تھا —

اور ادھر رام جنم بھومی اور بابری مسجد کو لے کر شہر کی فضا ایک بار پھر خراب ہو گئی تھی —



## چھ دسمبر ۱۹۹۲ء

حمام تو برسوں سے ایک ہی
ہے میاں/
یہاں جو کچھ ہو رہا ہے/
تمہیں دیکھنا نہیں چاہئے/
تمہیں سننا نہیں چاہئے/
تمہیں بولنا نہیں چاہئے/

(1)

ارشد پاشا اُلجھن میں تھے۔

تھاپڑ نے اس کی طرف غور سے دیکھ رہا تھا — 'ایک دن اس دنیا میں بالکل اکیلے رہ جاؤ گے میاں —'

ارشد پاشا اُس کی طرف گھومے...... تھاپڑ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ برس رہی تھی...... خیر چھوڑو...... جس میڈیا میں ہم تم ہیں...... وہاں زیادہ تر خاموش رہنا ہی پڑتا ہے...... اس میڈیا میں آنے کا پہلا اصول ہے...... ہونٹ سی لو...... کان بند کرلو...... اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ لو......

وہ ہنس رہا تھا......

ارشد پاشا کی پیشانی پر شکن پڑ گئی...... 'تم بھی وہی زبان بول رہے ہو تھاپڑ...... جو......'

تھاپڑ نے تھاپڑ کے چہرے پر ناراضگی تھی — 'ان برسوں میں جو کچھ ہوا ہے، وہ تم نے بھی دیکھا ہے اور میں نے بھی...... اور ایسے کسی بھی معاملے میں نہ دلیلیں کام آتی ہیں نہ منطق...... نہ دماغ...... ایک چور چوری کرتا ہے۔ چوری کرتے ہوئے پکڑا جاتا ہے...... دیکھنے والے گواہ موجود ہوتے ہیں مگر ہوتا کیا ہے ارشد پاشا —— چور اثر رسوخ کا آدمی ہے تو سب کو خرید لیتا ہے —— دیکھتے ہی دیکھتے میڈیا کا ہیرو بن جاتا ہے —— عدالت میں وہ خریدے گئے وکیل کی زبان اور آنکھوں کے اشارے سمجھتا ہے — اور کچھ بھی نہیں کہتا — کیسے بھولا بھولا معصوم بن جاتا ہے —— اس ملک میں پردھان منتری کو کروڑوں کے بریف کیس



سادھو سنت سیاست کی بساط بچھاتے ہیں —— اُن کے پیر چومتے ہیں...... یہاں عورت کو کمرے میں کاٹ کر مکھن اور کریم لگا کر تندور میں ڈال دیا جاتا ہے...... اور سارے معاملات ہاضمے کی گولیوں کی طرح ہم چبا لیتے ہیں —— پھر کوئی نیا اسکینڈل...... نیا معاملہ...... کوئی متھرا، کاشی، یا بابری مسجد —— یہاں ایک کھلاڑی جوتے پر انجانے میں اپنے دستخط کسی کمپنی کو بیچتا ہے اور تمہارے چار داڑھی والے ملا اسے پبلک ایشو بنا لیتے ہیں۔ جھٹ سے اللہ اور ایشور کی بے حرمتی پر تیور چڑھ جاتے ہیں مگر تب...... جب ڈھابے کے تندور میں کوئی عورت جلائی جاتی ہے......؟' کوئی دیوداسی جین رشی منیوں کے آشرم میں روز ہی بلاتکار کا شکار ہوتی رہتی ہے......؟ مندروں کے سادھو اور تنتر منتر کا ناٹک رچنے والے تانترک اس سیاست کا حصہ بن جاتے ہیں...... قصے ایک نہیں ہیں پاشا، ہزاروں ہیں لاکھوں ہیں...... مگر —— سوچنا نہیں ہے۔ بولنا نہیں ہے —— سننا نہیں ہے —— ایک کان سے سنا ہے اور اُڑا دینا ہے...... کیونکہ یہی اب تک ہوتا رہا ہے —— بوفورس سے بابری مسجد تک...... پرائم منسٹر ہاؤس سے تندور کی آگ تک —— انہیں پچانے والی ہاضمے کی گولیاں نہیں ملتیں تو اس ملک میں ایک آدمی نہیں ہوتا — تھوڑا سا بھی دل، جگر، یا احساس ہوتا نا — تو کسی نہ کسی ایشو کو اٹھا کر ہم میں سے زیادہ تر لوگ یا تو ہتیارے بن چکے ہوتے یا آتم ہتیا کر چکے ہوتے...... یہ ملک ختم ہو چکا ہوتا یا ملک کا نقشہ بدل گیا ہوتا —— یا روز ہی اس طرح کے واقعات سامنے آتے کہ سنسد بھون میں لاشوں کے ڈھیر لگ گئے —— یہاں پکڑا۔ وہاں مارا — کہیں زندہ جلایا اور تمہاری دیوتا میں چلی آ رہی بیماری کا ایک پل میں صفایا —— مگر نہیں دوست، ایسا ممکن ہی نہیں ہے —— جانتے ہو کیوں؟'

مذہبی چڑیل، اپنے بڑے بڑے پنجوں کے ساتھ اندر بیٹھی ہے ____ چڑیل ہے نا، وہ ہر پل کوئی نہ کوئی روپ بدل کر سامنے آتی رہتی ہے ____

ارشد پاشا کے لب تھرتھرائے ____ 'تمہارے اندر کا فریسٹریشن بول رہا ہے...... ڈر گئے ہو تم'

'کیوں؟ نہیں ڈرنا چاہئے ...... مجھے ......؟'

تھاپڑ ہنس رہا تھا...... 'ہاں کہیں نہ کہیں ڈرتا ہوں میں ____ تم بزدل بھی کہہ سکتے ہو ____ لیکن مجھے کیوں نہیں ڈرنا چاہئے ارشد پاشا ____'

'پھر اس بھاشن کا مطلب؟'

'مطلب یہ کہ ہم ابھی کمینے نہیں ہوئے ____ ہونا بھی نہیں چاہتے ____ آٹھ گھنٹوں کی مزدوری کے بعد ہم میں سے زیادہ تر لوگ ہیں، جو اپنا حق چاہتے ہیں یا مانگتے ہیں ____'

تھاپڑ کی آواز سرد تھی......

'کہاں کھو گئے پاشا ____ آج تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں ...... لیکن شاید ابھی وقت نہیں آیا ____ وقت آنے دو۔ سیاست کے یہ سارے جوکر بے نقاب ہوں گے اور تم خود بھی اس سیاست کے درمیان ایک مہرہ ہو گے ____'

'مہرہ......'

'ہاں ____ ہم سب مہرے ہی تو ہیں۔ کھیل، کوئی اور کھیل رہا ہے......'

'ہونہہ ____' ارشد پاشا نے لمبی سانس لی ____

تھاپڑ ہنس رہا تھا...... تمہارے پاس آنکھیں ہیں مگر تم کچھ دیکھ نہیں رہے ہو ____ لکھنے کے لئے ابھی جو ایک حساس اور جذباتی چڑیا پر کتا کر تمہارے اندر



جلتی ہے اور جب پک کے پھٹ جائے گی...... پھر تم کچھ بھی لکھ نہیں سکو گے...... سیاست کی بات، سادھو سنتوں اور تانترکوں کی بات، منتریوں کی فرمانبرداری کے قصے...... اونچے سے اونچے مسند پر بیٹھا ہوا کوئی بھی شخص تمہیں گندہ یا عیب والا نظر نہیں آئے گا اور سچ تو یہ ہے کہ اس کے بعد تم گناہ، ثواب، جرم، پردہ جیسی تمام چیزوں سے بے نیاز ہو جاؤ گے...... سب چیزیں تمہیں ایک جیسی لگیں گی...... یعنی اس قدر ملتی جلتی کہ تم فرق نہیں کر پاؤ گے۔ اچھے بُرے میں، بُرے اچھے میں...... اور تمہیں کوئی بھی سودے بازی، سودے بازی، نظر نہیں آئے گی...... تم ان کھرے کھوٹے اور اچھے بُرے تصورات سے بہت اوپر اٹھ جاؤ گے پھر بھول جاؤ گے ____ کہ ایک ملک ہے...... جہاں امام پشاوری بستے ہیں، جہاں حلوائی اور نانبائی رہتے ہیں۔ جہاں کی قسمت کا فیصلہ ایک تانترک کرتا ہے...... جہاں بچہ ٹھاکر جیسا کارٹونسٹ یا جوکر گدھ سینا بناتا ہے...... جہاں کوئی بابری مسجد ہوتی ہے جس کی آڑ میں یہ سارے کے سارے سوداگر اپنی اپنی دکان سجا کر، اپنے اپنے قوم کے اندھے بندوں سے دے اللہ اور دے بھگوان کرنے لگتے ہیں ____ بُرا مت ماننا ارشد پاشا ____ مگر تم دیکھو گے...... یہ وقت بھی بہت جلد آنے والا ہے......'

ارشد پاشا کے ہوش اڑ گئے تھے...... تھاپڑ کے لفظ، لفظ نہیں تھے...... ہر لفظ اپنی جگہ بارود تھا...... وہ جیسے بارودی سرنگ کے دہانے پر کھڑا تھا اور بس ایک جلتی ہوئی ماچس کی تیلی...... وہ اڑ رہا ہے...... نہیں...... اُس کے چیتھڑے اڑ گئے ہیں......

شاید یہ سب اس سیکولر ملک میں ہی چلتا ہے جہاں قاتل نیتا کہلاتے ہیں۔ سانپوں کی دودھ پلا کر پرورش کی جاتی ہے...... جہاں فرقہ واریت کی کوکھ سے جنمی پارٹی عوام کی پارٹی کہلاتی ہے۔ حکومت بناتی ہے...... اور تاش کے باون

[illegible] ن [illegible] اور [illegible] پر [illegible] ہے......

شاید اس جمہوری ملک کا یہی نصیب ہے......

کہاں کھو گئے......؟ تھاپڑ اُس سے پوچھ رہا ہے......

نہیں......کہیں نہیں ——

تھاپڑ کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ تھی ——

'زیادہ مت سوچو —— زیادہ سوچنے کا وقت نہیں رہا —— بدنصیبی کی وہ گھڑی اب سامنے آ چکی ہے۔ ہم اور تم فقط تماش بین ہیں —— اور ہمیں دیکھنا ہے، یہ تماشہ کیا رنگ لاتا ہے ——'

'تمہیں اب بھی ان لوگوں سے کوئی امید ہے ——؟'

'نہیں ——' تھاپڑ سنجیدہ تھا —— اجودھیا چلو کے نعرے میں اس وقت جنون اور پاگل پن شامل ہو چکا ہے —— حکومت کے لیے کیا اس جنون کو روکنا آسان ہے ——'

'کیا ہوگا بابری مسجد کا ——؟'

'نہیں جانتا —— لیکن شاید ملک کے کورے صفحے پر ایک ایسی کویتا لکھی جاتی ہے جو تقسیم کے وقت لکھی گئی تھی —— اور یہ کویتا آنے والے دنوں میں بھیس بدل بدل کر عام ہندستانیوں کے دلوں کو تڑپایا کرے گی ——'

'یعنی تمہارا مطلب ہے ——؟'

'شاید حکومت بھی...... یہی چاہتی ہے ——' تھاپڑ سنجیدہ تھا۔

'اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں —— حقیقت بہت جلد تمہارے سامنے آنے والی ہے ——'

تھاپڑ نے مسکرانے کی کوشش کی —— زندگی کتنی جلد بدل گئی دوست ——



تمہاری بھی اور میری بھی [illegible] ہوں تو اب یہ شہر چھوڑ دو۔ اپنے حصے کا مکان بھی فروخت کر دو اور دلّی میں ایک چھوٹا سا فلیٹ لے لو —— پھر ہم بڑے شہر کی بڑی سیاست کا حصہ بن جائیں گے ——'

'نہیں مہرے ——' میں نے ہنسنے کی کوشش کی —— مگر شاید تھاپڑ کی گفتگو نے یہ مسکراہٹ بھی اس لمحہ مجھ سے چھین لی تھی ——

☆☆

## چھ دسمبر ۱۹۹۲ء

کبوتروں کا جھنڈ، انسانوں کے جنون اور پاگل پن کو دیکھ کر گنبد سے اڑا اور آسمان کی جانب پرواز کر گیا ——

اجودھیا کے اس علاقے میں اس وقت صرف سر ہی سر دکھائی دے رہے تھے —— امن و شانتی کا پیغام یوں تو پولیس کے ذریعہ لاؤڈ اسپیکر پر مسلسل سنایا جا رہا تھا لیکن یہ طے تھا کہ کسی کو بھی اس پیغام میں دلچسپی نہیں ہے —— اب، سب کے سب فتح کے ارادے سے، جشن کی تیاریوں میں شامل ہونے —— تاریخ کی اس انوکھی واردات کو دیکھنے کے لیے جمع ہوئے ہیں ——

لوگ پاگل ہو رہے تھے —— ناچ رہے تھے ——

ڈنکے بج رہے تھے ——

ماحول میں ابیر اور گلال اچھالے جا رہے تھے —— آناً فاناً کچھ لوگوں کا جتھا، پولیس کے روکتے روکتے گنبد پر چڑھ گیا ——

جے شری رام کے نعروں سے آسمان گونج اٹھا ——

[illegible]
اس کے بعد دیکھی جائے گی—
پولیس خاموش تماش بین کی طرح اس پوری واردات کا ایک حصہ بن گئی
تھی—

شور بلند تھے—
نعرے گونج رہے تھے......
اور کبوتر آسمان میں پرواز کیے جا رہے تھے......
ڈم......ڈرم......ڈرم......
گنبد ٹوٹ رہے تھے......
لوگ اچھل اچھل کر ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے—
تاریخ نے اس باب کو ایک قوم کی فتح اور دوسرے قوم کی شکست کے طور
پر قبول کرایا تھا—

☆☆

اس حادثے کے چھ مہینے بعد تھاپڑ دلی چلا گیا— تھاپڑ کو ایک ہندی اخبار میں جگہ مل گئی— ارشد پاشا کاشی کے ایک اردو اخبار کو دیکھنے کے ساتھ ساتھ بچوں کو پڑھانے کی ذمہ داریاں بھی ادا کرنے لگے۔ اسامہ اب بڑا ہو رہا تھا— اسامہ جیسے جیسے بڑا ہو رہا تھا۔ اس میں نئے پنکھ نکل رہے تھے— رباب کی آنکھوں میں اب ہلکی سی ناراضگی صاف طور سے دیکھی جا سکتی تھی—

پھر وقت پنکھ لگا کر اڑا— تھاپڑ کے زور دینے کے بعد آخر وہ دلی جانے کے لیے تیار ہو گیا— اسامہ اب ۸ سال کا ہو گیا تھا— دلی کے کرایہ کا مکان اسامہ کو پسند نہیں آیا تھا— مگر رباب نے سمجھا دیا تھا۔ ہم جلد ہی اپنا مکان لے لیں



[illegible]—

مجاہد کی زبردست مقبولیت کے راستے سے صوفیہ راجیہ سبھا کی ممبر بن
گئی—

لیکن کہانی ختم نہیں ہوئی تھی—
کہانی جاری تھی—
دنیا کے نقشے میں دہشت پسندی نے اپنی جگہ بنالی تھی—